بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Monday, March 16, 1992

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at ten of the clock in the morning, with Madam Deputy Chairman (Dr. Noor Jehan Panezai) in the Chair.

(RECITATION FROM THE HOLY QURAN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا
وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

[ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Monday, March 16, 1992

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at ten of the clock in the morning, with Madam Deputy Chairman (Dr. Noor Jehan Panezai) in the Chair.

(RECITATION FROM THE HOLY QURAN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا
وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

[ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو

اس سے بچالیا اسطرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور احکام بین آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن بڑا عذاب ہو گا۔]

(و آخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب محمد علی خان صاحب۔

OBITUARY

Mr. Muhammad Ali Khan: Madam Deputy Chairman, our brotherly country Turkey has recently been hit hard by a devastating earthquake in which a great number of people have lost their lives. We express our deep sense of sorrow and grief over the sad loss of innocent lives in that devastating earthquake and pray to Almighty Allah that He may rest all of those who perished in this disastrous earthquake and give strength to our brave brothers of Turkey to bear this tragedy with their great courage and fortitude. So, I request that Fateha may please be offered.

(Fateha was offered)

POINT OF ORDER *RE*: DISBURSEMENT OF DEVELOPMENT FUNDS TO SENATORS

Madam Deputy Chairman: Mr. Akhunzada Behrawar Saeed on point of order.

Mr. Akhunzada Behrawar Saeed: Madam Deputy Chairman, the Federal Government has allocated some funds to the MNAs and Senators for development but those funds have been transferred from the Central Government to the Provincial Governments. But the Provincial Government has deliberately withheld the funds and the Provincial Members have been allowed to spend the money which they have been given.

میڈم ڈپٹی چیئرمین : بہرہ ور سعید صاحب یہ پوائنٹ آف آرڈر اس لئے نہیں ہے کہ متعلقہ منسٹر غلام دستگیر صاحب تشریف نہیں رکھتے جب وہ موجود ہوں تو مناسب موقع ہو گا یا پھر آپ اسے موشن کی صورت میں لے آئیں اس وقت تو بات کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ کیونکہ منسٹر یہاں نہیں ہے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : وہ لوگ یہ فنڈز lapse کروانا چاہتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : یہاں پر concerned منسٹر موجود نہیں ہے۔ جو آپ کو جواب دے سکے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : اس کو بلوالیں۔ He must give the answer today, Madam

میڈم ڈپٹی چیئرمین : اسے بلوا لیتے ہیں دیکھتے ہیں وہ موجود ہیں تو پھر آپ بات اٹھائیں۔

چوہدری امیر حسین : میرے خیال میں انہوں نے مہربانی فرمائی ہے چونکہ منسٹر صاحب نہیں ہیں ویسے اس کی جو انہوں نے بات کی ہے اس کے متعلق گزارش ہے شاید کل بھی یہ موجود تھے اور پرائم منسٹر صاحب سے بات ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا He will look into it. صوبائی حکومتوں سے بات کریں گے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : شکریہ ڈاکٹر ریحان صاحب ان پوائنٹ آف آرڈر۔

ڈاکٹر محمد ریحان : غریب لوگوں کے متعلق ایک انسانی مسئلہ ہے۔ ریڈیو پاکستان کے غریب ملازمین کی تنخواہوں پر نظر ثانی ہوئی ہے۔ پانچ مہینے گزر گئے ہیں لیکن ان کو بقایا جات نہیں ملے اور عید آرہی ہے.....

میڈم ڈپٹی چیئرمین : ڈاکٹر ریحان صاحب آپ سوچیں کہ آپ ان چیزوں کو پوائنٹ آف آرڈر پر کس لئے اٹھا رہے ہیں آپ پہلے دیکھیں کہ یہاں متعلقہ وزیر صاحب ہیں۔ آپ دیکھیں کہ انفارمیشن کا متعلقہ منسٹر ہو۔

ڈاکٹر محمد ریحان : میرا خیال ہے ان کو بلوالیا جائے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : تب آپ بلوالیا کریں اس طرح آپ کے کہنے پر کوئی نہیں آئے گا۔

ڈاکٹر محمد ریحان : آپ کے through request کرتا ہوں کہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ سب غریب لوگ ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : میں مانتی ہوں لیکن آپ اس کو موو کرنے سے پہلے دیکھ لیں۔ جناب چوہدری امیر حسین صاحب۔

چوہدری امیر حسین : محترمہ میں سمجھتا ہوں کہ اس ایوان کو رولز کے مطابق چلانا ہم سب کا فرض ہے یہ جو طریقہ ہے کہ کسی پوائنٹ کو اور طرح سے ریز کیا جانا چاہئے اور اس کو پوائنٹ آف آرڈر کے ذریعے ریز کیا جاتا ہے یہ proper نہیں ہے۔ ایوان کا وقت بھی اس میں بہت لگتا ہے ویسے بھی اچھا نہیں لگتا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : بالکل جی۔ شکریہ چھٹی کی درخواستیں۔ نہیں ہیں۔

سید اقبال حیدر : موشن ہے جی۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : آپ کا کوئی privilege موشن نہیں ہے۔

سید اقبال حیدر : کل کا آج تھا۔ محترمہ۔

There was a privilege motion moved yesterday which was deferred for today.

میڈم ڈپٹی چیئرمین : پھر بھی ایجنڈا پر نہیں آیا۔ آپ تشریف رکھیں۔ یہ ایجنڈے پر نہیں ہے۔

(*Interruption*)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : کوئی طریقہ کار ہوتا ہے وہ ایجنڈے پر آتا ہے۔ تو تشریف رکھیں۔

Syed Iqbal Haider : But it is an omission of the office. All I want is that the omission may be corrected.

میڈم ڈپٹی چیئرمین : قریشی صاحب آئندہ جس وقت یہ ہاؤس میں فیصلہ ہو جائے اس کو ڈیفر کریں تو جناب اس میں پھر آپ personal interest لے کر کریں جی۔ جناب رحیم مندوخیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : پوائنٹ آف آرڈر۔ میں نے adjournment موشن پیش کیا ہے وہ بہت اہم مسئلہ فوری نوعیت کا اور عوامی اہمیت کا ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : رحیم مندوخیل صاحب۔ آپ کا adjournment موشن آنہیں سکتا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب والا! 14 تاریخ کو 2 بجے ماموں خان اچکزئی کے گھر پر ملیشیا فورسز نے میجر اظہر کے حکم کے مطابق ہزاروں گولیاں برسائی اور وہاں ان کے بھائی ڈاکٹر حامد خان کو گرفتار کیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی گرفتار ہوئے۔ جناب چونکہ آج proceedings کا آخری دن ہے تو میں وزیر داخلہ یا پارلیمانی امور کے وزیر صاحب کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو وہ serious لیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : مندوخیل صاحب' میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ چونکہ متعلقہ وزیر نہیں ہیں اس لئے آپ.....

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : پارلیمانی امور کے وزیر صاحب موجود ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : آپ ان کے ساتھ مل کر بات کر لیں۔

چوہدری امیر حسین : محترمہ چیئرمین صاحبہ یہ ہمارے بھائی ہیں' colleague ہیں' ان کی بات سن لیتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : اچھا جی'

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب والا' 14 تاریخ کو 2 بجے ماموں خان اچکزئی کے گھر پر ملیشیا فورسز نے میجر اظہر کے حکم کے مطابق اس کی ڈائریکشن اور کنٹرول میں محمود خان کے گاؤں اور اس کے گھر پر حملہ کیا اور اس کے گھر سے' اس کے بھائی کو' اور اس کے عزیز و اقارب کو حتیٰ کہ امام مسجد مولانا عبدالحئی کو وہاں سے نکالا اور گرفتار کیا اور آج تک وہ unlawful custody میں ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : مندوخیل صاحب آپ تشریف رکھیں' چونکہ وزیر داخلہ صاحب تو نہیں ہیں چوہدری امیر حسین بات کرتے ہیں۔

چوہدری امیر حسین : محترمہ' وزیر داخلہ صاحب بھی نہیں ہیں اور ویسے بھی یہ واقعہ صوبہ بلوچستان میں ہوا ہے' وہ اس لئے وزیر داخلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ صوبائی معاملہ ہے۔ تاہم میں وزیر داخلہ صاحب سے کہوں گا کہ وہ صوبائی حکومت سے اس سلسلے میں بات کریں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : مندو خیل صاحب آپ بھی وزیر داخلہ صاحب سے مل لیں۔

چوہدری امیر حسین : جی، وہ ان سے مل لیں اور اس چیز کا باقاعدہ نوٹس لیا جائے گا کہ کیوں ایسا ہوا ہے اگر ہوا ہے تو.....

جناب عبدالرحیم خان مندو خیل : اس واقعہ کا تعلق ایف سی سے ہے۔

چوہدری امیر حسین : جس سے بھی اس کا تعلق ہے، ویسے تو یہ بطور تحریک التوا کے آنہیں سکتی آپ نے فرمایا ہے تو ہم نے کہا ہے کہ چلیں، ان کی بات سن لیتے ہیں بہر حال یہ وزیر داخلہ صاحب سے مل لیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : ٹھیک ہے، جناب عالم علی لالیکا صاحب،

میاں عالم علی لالیکا : پوائنٹ آف آرڈرز میں سینٹ کا آخری ورکنگ ڈے ہونے کے تناظر میں عرض کروں گا کہ ہم دس دن سے صدر صاحب کے خطاب پر میرے خیال میں لاحاصل بحث میں پڑے ہوئے ہیں اس وقت ملک کا سنگین ترین مسئلہ زراعت پیشہ ہونے کے ناتے کپاس ہے۔ کپاس کے بارے میں، میں نے اپنی صدارتی تقریر میں اپنے خیالات کے اظہار کے دوران سرتاج عزیز صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ وہ ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ کپاس کی پیداوار بڑھاؤ، ہم نے کپاس کی پیداوار بڑھا دی ہے۔ اس وقت محترمہ، ملک میں کپاس کی ہزاروں گانٹھیں پڑی ہوئی ہیں۔ کپاس کھیتوں میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کی کوئی فکر کرنے والا، مداوا کرنے والا، کوئی سوچنے والا، کوئی پرواہ کرنے والا نہیں ہے، موجود نہیں ہے۔ خدارا اس بات پر غور وخوض کیا جائے۔
صدر صاحب کے خطاب پر ہمارا اظہار خیال شیطان کی آنت کی طرح بڑھتا چلا گیا ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : لالیکا صاحب، اس وقت یہاں نہ سرتاج عزیز صاحب موجود ہیں اور نہ ہی وزیر زراعت موجود ہیں۔ اس وقت پوائنٹ آف آرڈر اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چوہدری حسین صاحب، ان کے ایما پر کیا کہہ سکتے ہیں۔

میاں عالم علی لالیکا : محترمہ ایک وزیر کی ذمہ داری جو ہوتی ہے وہ ساری کابینہ کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ چوہدری امیر حسین صاحب کہہ دیں کہ کپاس کا بحران نہیں

ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔

چوہدری امیر حسین : محترمہ میں گزارش کرتا ہوں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : چوہدری امیر حسین صاحب۔ آپ اس چیئر سے نہیں بول سکتے ہیں' یہ لیڈر آف ہاؤس کی سیٹ ہے۔

(مداخلت)

میاں عالم علی لالیکا : یہ کہہ دیں کہ اس چیز کا تدارک کیا جا رہا ہے' تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ دیں کہ واقعی ہزاروں ایکڑ کپاس چنی نہیں گئی ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ اور اگر یہ سب کچھ صحیح ہو' موجود ہو.....

چوہدری امیر حسین : محترمہ۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : آپ اس چیئر سے نہیں بول سکتے ہیں۔

چوہدری امیر حسین : میں اس طرف آ رہا ہوں۔

(مداخلت)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : بہرہ ور سعید صاحب' آپ تشریف رکھیں۔

چوہدری امیر حسین : محترمہ گزارش یہ ہے کہ جیسے کہ لالیکا صاحب نے فرمایا ہے کہ بڑا اہم معاملہ ہے گورنمنٹ نے اس کا نوٹس لیا ہے اور وزیر اعظم نے خصوصی ہدایت فرمائی ہے کہ متعلقہ وزیر کو کہ جتنی بھی کپاس پیدا کی گئی ہے وہ کسانوں سے تمام کی تمام خرید لی جائے اور کچھ کپاس خراب بھی ہوئی ہے تو اس وجہ سے اس کو reject نہ کیا جائے۔ محترمہ جب حکومت تمام کی تمام کپاس خرید رہی ہے' زمینداروں کا یہ مسئلہ ہے اور ہماری اکثریت.....

میاں عالم علی لالیکا : پوائنٹ آف آرڈر۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : جی' پہلے ان کی بات ختم ہو لینے دیں۔

چوہدری امیر حسین : اور ہمارے جو بھائی دیہاتوں میں رہتے ہیں وہ ملک کا تقریباً 70 فصد ہیں اور زراعت ہمارے ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے زراعت کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور کاشت کار کو' میں یہ سمجھتا ہوں کہ مزید سہولتیں دینی چاہیں اور ان کی جو فصل ہے وہ خریدی جانی چاہئے۔ اور ہماری گورنمنٹ کی یہ

پالیسی ہے کہ کپاس خریدی جائے گی، اس کے لئے خصوصی ہدایات جاری کر دی گئی ہیں اور بہت سی کپاس خرید لی گئی ہے اور باقی بھی خرید لی جائے گی اس لئے چونکہ فاضل سینٹر نے اپنی تقریر میں بھی یہ فرمایا تھا، آج اس پر نہ تو پوائنٹ آف آرڈر پر بات کی جا سکتی ہے، نہ تحریک التواء پیش کی گئی ہے اور نہ ہی پیش کی جا سکتی ہے اور سینٹ کو prorogue بھی ہونا ہے اور ڈیڑھ مہینے یا سوا مہینے سے جو تقاریر معزز اراکین نے کی ہیں، ان کا ہم نے جواب بھی دینا ہے، میں نے وائنڈ اپ بھی کرنا ہے، گزارش یہ ہے کہ اب اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: شکریہ۔ عالم علی لالیکا صاحب، اب انہوں نے detail سے بات کر دی ہے۔ اس لئے آپ کو مطمئن ہونا چاہئے۔

میاں عالم علی لالیکا: ہم صدر کے خطاب پر بے مقصد بات کرتے رہے ہیں، اپنے اپنے مطلب کی ہانکتے رہے ہیں، کچھ لوگ صدر صاحب کو خوش کرتے رہے ہیں، کچھ وزیر اعظم صاحب کی خوش آمد کرتے رہے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: انہوں نے تو آپ کو خوش کر دیا ہے۔

میاں عالم علی لالیکا: اور میرے جیسے احمق تھانے داروں کی خوش آمد کرتے رہے ہیں اس سے مجھے کچھ حاصل ہوتا نظر آیا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کچھ حاصل ہو گا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: لالیکا صاحب، آپ تشریف رکھیں۔

میاں عالم علی لالیکا: میرا تو مسئلہ ہے کہ خدا کے لئے یہ یقین دہانی جو وزیر اعظم صاحب نے کروائی تھی، اور جو آج سے ایک ماہ پہلے کروائی تھی، ان کے کوئی اثرات قوم تک نہیں پہنچے۔ ہزاروں من کپاس ان بچاروں کے گھروں میں پڑی ہوئی ہے، وہ اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کارروائی سے کیا فائدہ ہے۔ وزیر صاحب کھڑے ہو کر کہہ دیں کہ فلاں صاحب نے بکواس کی تھی اقبال حیدر صاحب نے تو کہا ہی تھا، عبداللہ شاہ صاحب کی زبان پر یہ چڑھا ہوا تھا، لالیکا صاحب اپنے بڑ کی ہانکتے ہیں، یہ سب بکواس ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: لالیکا صاحب، اب آپ تشریف رکھیں۔

میاں عالم علی لالیکا: میں تو محترمہ اس پر walkout کرتا ہوں اور اپنے دوستوں اور بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسی فضول کارروائی میں شریک نہ ہوں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: یہ آپ کس کے خلاف واک آؤٹ کر رہے ہیں۔

میاں عالم علی لالیکا: انہوں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا غلط بیانی کرتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: آپ تشریف رکھیں۔

میاں عالم علی لالیکا: انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا، باتوں باتوں میں ٹرخاتے ہیں۔ ہماری ہزاروں من کپاس کھیتوں میں پڑی ہوئی گلتی ہے، سڑتی ہے، اور کوئی خریدار نہیں ہے۔ بنک والے ہمارے قرقی کے نوٹس لئے پھرتے ہیں اور یہ یہاں بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: آپ تشریف رکھیں جی، آپ تشریف رکھیں جی،

سید اقبال حیدر: پوائنٹ آف آرڈر۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: اقبال حیدر صاحب، آپ تشریف رکھیں، میں نے ابھی آپ کو اجازت نہیں دی۔ جناب احسان شاہ آپ اپنی تقریر جاری رکھیں لیکن ذرا conclude کرنے کی کوشش کریں۔ کافی سپیکر ہیں، اور آج وائنڈاپ بھی کرنا ہے۔

سید اقبال حیدر: محترمہ کپاس کے اوپر بات کرنا ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: آپ تشریف رکھیں سید احسان شاہ صاحب،

سید احسان شاہ: بہت شکریہ۔ کہ آپ نے مجھے اپنی تقریر مکمل کرنے کا موقع دیا۔ جناب، اس دن میں گزارش کر رہا تھا۔

میاں عالم علی لالیکا: میں جناب اس ہاؤس سے واک آؤٹ کرتا ہوں۔

سید احسان شاہ: لالیکا صاحب، آپ اتنا غصہ نہ کھائیں، اپنی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: احسان شاہ صاحب، آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

(مداخلت)

سید احسان شاہ: تو جناب میں اس دن گزارش کر رہا تھا کہ بلوچستان میں.....

(مداخلت)

میاں عالم علی لالیکا : ہماری کوئی بات ہی نہیں سنتا.....

میڈم ڈپٹی چیئرمین : لالیکا صاحب' آپ تشریف رکھیں' احسان شاہ صاحب تقریر کر رہے ہیں۔

سید احسان شاہ : لالیکا صاحب نے اچھا کیا ہے اور صدر صاحب نے کوئی اچھا نہیں کیا۔ میری بات بھی سنیں۔

(مداخلت)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : لالیکا صاحب' آپ کی تقریر سب نے بڑے شوق سے سنی تھی۔

میاں عالم علی لالیکا : مجھے یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔ میں حکومت کو بتانا چاہتا ہوں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی تعداد ملک میں 75 فیصد ہے' وہ ملک کے فارن ایکسچینج میں 70 فیصدی لاتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : لالیکا صاحب' ان کی بھی کوئی پرابلم ہو گی' اس لئے ان کی بات بھی سنیں۔

میاں عالم علی لالیکا : کوئی پرابلم نہیں ہے۔

(اس موقع پر عالم علی لالیکا صاحب نے ایوان سے واک آؤٹ کیا)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : احسان شاہ آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

FURTHER DISCUSSION ON THE PRESIDENT'S ADDRESS

سید احسان شاہ : میں عرض کر رہا تھا کہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے۔ معدنیات کے لحاظ سے یہ امیر ترین صوبہ ہے۔ افسوس ہے کہ ان خصوصیات کے باوجود وہ اس ملک کا پسماندہ ترین صوبہ ہے۔ جناب والا' وہاں پر نہ بنیادی سہولتیں ہیں اور نہ وہاں پر پکی سڑکیں ہیں اور نہ ہی پینے کے لئے پانی ہے آپ کا اپنا تعلق بھی اس صوبہ سے ہے' آپ کو تو اچھی طرح سے علم ہو گا کہ وہاں پر پینے کے لئے پانی سروں پر اٹھا کر عورتیں کوسوں دور سے لاتی ہیں۔

جناب والا! موجودہ حکومت نے جو معاشی خوشحالی کی بات کی ہے وہ میں سمجھتا ہوں

کہ بلوچسان کو develop کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بلوچستان اس ملک کی معیشت اور تجارت میں اہم حیثیت رکھتا ہے بلوچستان کی جغرافیائی حیثیت کو کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اور جناب یہ تاریخ ہے کہ روسی انقلاب سے پہلے جو روسی اس وقت مسلمان ریاستیں وجود میں آئی ہیں ان کا تجارتی راستہ بلوچستان سے تھا تو میری اس حکومت سے گزارش ہے کہ وہ دوبارہ بلوچستان کے ساحل کو ترقی دے کر ان کے ہاں ریلوے لائن بچھا کر، سڑکیں تعمیر کر کے ports بنائے جائیں اور ان روایات کو دوبارہ برقرار رکھیں۔

جناب اب میں بلوچستان کی سیاسی صورت حال پہ آتا ہوں جناب اس وقت بلوچستان میں دو لسانی گروہ بر سر پیکار ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف اخباروں میں بیانات دے رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف صوبائی و قومی اسمبلی اور سینٹ میں بحث کر رہے ہیں۔ جناب میں یہاں پر یہ عرض کرتا چلوں کہ نہ تو وہ گروہ بلوچوں کے نمائندے ہیں نہ وہ ہمارے پختون بھائیوں کے نمائندے ہیں.....

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : پوائنٹ آف آرڈر محترمہ۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : پلیز آپ تشریف رکھیں آپ نے اپنی تقریر کی ہے اس میں کسی نے مداخلت نہیں کی لہٰذا ان کی تقریر ختم ہونے دیں یہاں پر ہر ایک بولنے کا حق رکھتا ہے۔ تشریف رکھیں ان کو سنیں جی احسان شاہ صاحب۔

سید احسان شاہ : جناب یہ دونوں گروہ بلوچستان میں وہی صورتحال پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس وقت سندھ میں ہے اور اس کی نہ ہم اور نہ ہی پختون بھائی اجازت دیں گے کہ سندھ جیسی صورتحال بلوچستان میں پیدا کی جائے۔

جناب بلوچستان کے کچھ حصوں کو جنوبی پشتونستان کہنے والے شاید تاریخ کا علم نہیں رکھتے کہ جن علاقوں کو وہ جنوبی پشتونستان کہتے ہیں دراصل وہ خان آف قلات کی ریاست کے حصے تھے جناب وہ علاقہ جس کو برٹش بلوچستان کہا جاتا تھا خان آف قلات سے انگریزوں نے لیز پر لیا تھا۔ رشیا کے اثرات کو اس خطے میں روکنے کے لئے ان کو ڈیفنس لائن کی ضرورت تھی۔ وہ افغانستان تک اپنا اثر و رسوخ بڑھانا چاہتے تھے۔ جو leased area انگریزوں کو دیا گیا اس میں انہوں نے ریلوے لائن بچھائی اور وہ انگریزوں کے

قبضے میں رہا۔ جناب جب انگریز اس ملک کو چھوڑ کر جا رہے تھے تو اس وقت اس leased area کے لئے جناب قائداعظم نے خان آف قلات کی وکالت کی اور وہ leased area خان صاحب کو دیا گیا۔

جناب میں یہاں پر یہ بھی گزارش کرتا چلوں کہ اگر اس طرح سے ملک کے علاقے بانٹے گئے نئے صوبے بنائے گئے تو یہ ملک کے مفاد میں نہیں ہو گا۔ بلوچستان میں ایک صوبہ کا اضافہ نہیں بلکہ پورے پاکستان میں صوبوں کا اضافہ ہو گا جناب' ہر صوبے میں دو' دو صوبے بننے لگیں گے پنجاب بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گا سندھ اور فرنٹیئر بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گا۔ جناب میری حکومت وقت سے گزارش ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے یا ایسی غلط بیانی کرنے والے لوگوں کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے صحیح راستہ اختیار کرے۔ جناب جو علاقہ انگریزوں کو lease پر دیا گیا تھا وہ لارڈ سنڈے مَن اور خان محمود خان کے درمیان ایک معاہدہ تھا جو 1957ء کو معاہدہ مستونگ کے نام سے مشہور ہے جو 1957ء کو ہوا۔ جناب اس ملک کو بچانے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے۔

میں ایک اور عرض کرتا چلوں کہ ہمارے ایک محترم یہاں پر کھڈوال کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ جناب کھڈوال کا مطلب یہ ہے کہ دوہری شہریت' اور اس دلائل کی بنا پر وہ افغان مہاجرین کو یہاں کے شہری قرار دیتے ہیں جبکہ جناب یہ بات قطعی طور پر اور بے بنیاد ہے۔ پختون بھائی اگر یہ کہیں کہ پاکستانی شہریوں کو افغانستان میں وہی شہری حقوق حاصل ہیں جو افغانسان میں ہیں تو ہم کہیں گے کہ جناب اگر ان کو یہ حقوق حاصل ہیں تو ہمیں بھی حاصل ہیں ہمارے بلوچوں کی آبادی بلوچ ایران میں بھی رہتے ہیں افغانستان میں بھی رہتے ہیں سلطنت آف اومان کی 35 فیصد آباد بلوچ ہے تو کیا ہم ان کو یہ اجازت دیں گے کہ وہ اس ملک میں آکر ووٹ دیں ؟ کیا ہم ان کو یہ اجازت دیں گے کہ وہ اس ملک کی شہریت لیں ؟ قطعاً نہیں جناب ہم نے تو یہ بات کبھی نہیں کہی۔ ان کی سرزمین' ان کی مملکت ان کے لئے مقدس ہے میری سرزمین' میری مملکت میرے لئے مقدس ہے۔ تو جناب میں ان چند گزارشات کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ شکریہ۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : شکریہ جی ڈاکٹر سیف الدین جوگیزئی صاحب۔

(مداخلت)

میڈم ڈپٹی چیئرمین : آپ سب تشریف رکھیں۔ میں نے کسی کو allow نہیں

کیا ہے تشریف رکھیں جناب ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی : شکریہ جناب محترمہ ڈپٹی چیئرمین صاحبہ ! کہ آپ نے مجھے صدر کے مشترکہ اجلاس سے خطاب پر بولنے کا موقع دیا۔ جناب صدر کا خطاب پارلیمنٹ سے ایک پارلیمانی روایت بھی ہے اور آئین کا حصہ بھی ہے۔ 19 دسمبر کو صدر کے خطاب کے دوران جو حزب اختلاف اور ان کی لیڈر نے جو پارلیمانی روایات سے ہٹ کر جو کردار ادا کیا میرے خیال میں تاریخ اور سیاسی لحاظ سے کوئی ان کو معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ اس ہاؤس کا احترام کرنا تمام پارلیمنٹیرین کا فرض ہے۔ اگر ہم اس ہاؤس کا احترام نہ کریں تو جو ووٹ کا تقدس ہے تو ہم اس کو پامال کر دیا ہے۔ ہر پارلیمنٹ کے ممبر نے قوم سے وعدہ کیا تھا اور ان کی اپنی ذمہ داریاں ہیں اور یہاں پارلیمنٹ میں جو بھی روایت چلی آرہی ہے دنیا میں اس میں یہی ہے کہ پالیسیاں بنانا بل پاس کرنا' آئین میں ترمیم کرنا۔ وہ بھی روائتی انداز سے اور پارلیمانی انداز سے۔ اصل میں جب سے پاکستان بنا ہے اس ملک میں سیاست میں نہ وہ روش اختیار کی گئی ہے نہ کوئی اصول اپنایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ چالیس بیالیس سال میں کوئی پارٹی بھی نہ کوئی ڈسپلن مقرر کر سکی اور نہ کوئی منظم ہو سکی۔ جس کی وجہ سے ہر پارٹی اپنی پارٹی کے اندر اپنے آپ کو ابھی تک منظم نہیں کر سکی ہے۔ اب تک نہ کوئی پراپر الیکشن ہو سکے اور سوائے چند پارٹیوں کے اپنے آپ کو نہ کسی نے اس معیار پر پہنچایا کہ پارٹی ڈسپلن کو برقرار رکھا جا سکے۔ جب تک پارٹی میں ڈسپلن نہیں ہو گا جب تک سیاست کا اپنا اصول نہیں ہو گا۔ اس وقت تک نظام میں بہتری ناممکن ہو جاتی ہے۔ ان حالات سے مسلم لیگ بھی' جب سے پاکستان بنا مختلف حالات سے دوچار ہوئی۔ کبھی ریپبلک ہوئی' کبھی کنونشن ہوا' کبھی کونسل ہوئی اور ابھی جا کر 85ء کے بعد جب الیکشن ہوئے اور الیکشن کے بعد جو پارٹی بنائی گئی پارلیمنٹ کے ممبروں کی وہ مسلم لیگ کے نام سے تو اسی پر بنیاد رکھی گئی۔ خدا کرے کہ اب یہ بنیاد اوپر سے نیچے تک مضبوط ہی رہے اور ملک ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے۔

پارٹی میں اتحاد بھی ہوتے ہیں مگر ان اتحادوں کا بھی کوئی اصول ہوتا ہے۔ مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی ذات کو پارٹی سے ملک کے مفاد سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ پارٹیاں اور اتحاد ہمیں قائم و دائم نہیں رکھ سکتے۔ اور وہ اصول' جو

شروع میں آپس میں بیٹھتے ہیں اور ایک لائحہ عمل تیار کرتے ہیں اور وہی لائحہ عمل آخر تک برقرار نہیں رکھ سکتے۔ ہماری دعا ہے کہ اس ملک میں سیاست اپنا ایک مقام پیدا کرے اور جمہوریت رواں دواں ہو جائے۔ اور جب تک جمہوریت رواں دواں نہیں ہو گی تو ملک کے سسٹم، نظام میں نمایاں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ کیونکہ ملک کی تمام پالیسی ملک کی تمام معیشت اسی پر منحصر ہے۔ کہ سیاسی پارٹیوں کا استحکام اور جمہوریت۔ ابھی صدر کی تقریر کا موضوع اس ایوان میں پندرہ دن سے زیر بحث ہے۔ صدر محترم ایک تجربہ کار انسان پاکستانی ہیں اور وہ مختلف پوسٹوں پر بھی رہ چکے ہیں تو ان کی جو بھی فکر ہے وہ اس قوم اور پاکستان کے لئے ہے۔ اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ پارلیمنٹ کی ایک سال کی کارکردگی پر وہ اپنا اظہار خیال کرے۔ اگر پارلیمنٹ اور اس حکومت نے کوئی اچھے کام کئے ہیں تو ان کو سراہے اگر ایسے کام کئے ہیں جو ملک کے مفاد میں نہیں ہیں تو ان پر اپنا نقطہ نظر بیان کرے اور اسے بتا دے کہ یہ آپ کی غلطی ہے اور آپ نے آئندہ یہ کرنا ہے۔ تو یہ ایک اچھی روایت ہے۔

اس حکومت کو ابھی سوا سال ہی ہوا ہے اور جن مشکل حالات میں یہ حکومت اور آئی جے آئی نواز صاحب کی قیادت میں آئی ہے اور شروع سے اس ملک کو جو بحران درپیش تھا۔ خلیج کی جنگ اور دنیا میں کرائسسز تھے۔ ملک کی اکانومی بہت کمزور تھی۔ اور اسی وقت جن پالیسیوں کا اعلان کیا گیا اور جس قوم کو اعتماد میں لیا گیا تو وہ پالیسیاں ڈینیشنلائیز یشن، پرائیویٹائزیشن اور ڈیریگولیشن وہ بنیادی چیزیں تھیں جو معیشت کے لئے درکار تھیں۔ اس معیشت کو آگے چلانے کے لئے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک صنعت اور ایک زراعت۔ چونکہ صنعت ہماری پچھلی حکومت، 77ء کی حکومت میں بھٹو صاحب نے نیشنلائیز کی تھی۔ اور اس کا تجربہ اس ملک نے دیکھ لیا تھا ایک سو بیس، ایک سو پچاس کارخانے، یونٹس بند پڑے تھے۔ اور ملک کا زیادہ سرمایہ ان بند کارخانوں میں پھنسا ہوا تھا اور یہ اقدام بہت ضروری تھا۔ اگر یہ پہلے اٹھایا جاتا تو شاید ہم ان حالات کو فیس نہ کرتے۔ مگر اس حکومت نے آتے ہی پہلا اقدام یہی کیا کہ انہیں ڈینیشنلائیز کروا دیا۔ لیکن اس پر process کے لئے ٹائم چاہئے۔ وقت چاہئے۔ اس کا impact جلدی تو نہیں پڑتا وقت کے ساتھ ساتھ اس کا impact

ضرور پڑے گا۔ لیکن اس میں مزدور کی مزدوری کی بھی ضمانت کرا دی گئی ہے کہ کوئی بیروزگار نہیں ہو گا۔ اسے مختلف angal سے اٹھایا گیا۔ ان کی مخالفت کی گئی۔ اور یہاں بھی اپوزیشن نے کہا کہ اگر یہ ڈینیشنلائیز کریں گے تو ہم واپس نیشنلائیز کریں گے۔ وہ اس process کو روکنا چاہتے تھے۔ حالانکہ خود بھی جب حکومت میں تھے تو اس وقت ان کا پروگرام تھا کہ ان کو ڈینیشنلائیز کریں۔ لیکن جب اس حکومت نے کیا تو اس کی مخالفت کی گئی۔ مخالفت کے باوجود خدا کا افضل ہے۔ اس پر بڑا اچھا response ہوا۔ اور لوگ آگے آنے لگے۔ سٹاک ایکسچینج پر اثر پڑا۔ امپورٹ پر اثر پڑا۔ ایکسپورٹ پر اثر پڑا۔ تو یہی وہ اقدامات ہیں کہ ہمارے ملک کی معیشت بجائے نیچے جانے کے اللہ کے فضل سے سوا سال میں ہم اتنے ہوئے گئے کہ خود کفالت کے اپنے اصول پر رہتے ہوئے بھی' ان اقدامات کے ہوتے ہوئے ملک معیشت میں ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ لیکن حالات اور واقعات ابھی تک ہمارے سامنے ہیں۔

ملک میں کارخانے اس وقت لگ سکتے ہیں جب ملک میں امن وامان ہو لیکن ہمیں وراثت میں سندھ کی امن وامان کی صورت حال اتنی بدتر ملی کہ اسے ٹھیک کرنے کے لئے ابھی تک ہم اس مقام پر نہیں پہنچے کہ حالات نارمل ہو جائیں اس لا اینڈ آرڈر میں کس کا ہاتھ ہے۔ سندھ کی خراب صورت حال پر ہم سب بات کرتے ہیں کہ سندھ کے لا اینڈ آرڈر ٹھیک نہیں ہے۔ ہر ایک کو یہ احساس ہے مگر ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس کے پیچھے بھی کوئی ایسے عناصر ہوں گے جو ان حالات کو اس ڈگر پر لے جائیں۔ دو سال پہلے کی بات ہے کہ سینٹ کی ایک کمیٹی جائزہ لینے گئی تھی ایک ممبر مجھے بتا رہا تھا کہ ہم ایک ممبر کے ہاں جو وڈیرا بھی تھا وہاں ٹھہرے ہوئے تھے شام کو میں جب نکلا تو باہر آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا آپ لوگ کیسے آئے ہیں۔ تو میں نے بتایا کہ ہم صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے آئے ہیں کہ ڈکیتیاں اور اغوا کیوں ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ جناب آپ جس کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہی ہم سے کروا رہا ہے۔ تو یہ تصدیق شدہ ہے کہ وہاں جو کروانے والے ہیں وہ بھی پاور فل ہیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی سٹیٹ بنائی ہوئی ہے۔ اس سٹیٹ میں وہ دوسروں سے بھی ڈاکہ ڈلواتے ہیں اور اپنا کمیشن بھی لیتے ہیں۔ اور وہاں کے افسروں کو بھی اپنے ساتھ ملاتے ہیں۔

تو جب تک وہ خود احساس نہ کریں کہ ہم نے پاکستان میں ترقی کرنی ہے۔ ملک نے آگے جانا ہے۔ تو اس لا اینڈ آرڈر میں جب بڑے لوگوں کا ہاتھ ہے تو بڑے لوگوں کے لئے بھی ایک طریقہ کار ہونا چاہئے۔ اس ملک کے دیہاتوں کی آبادی ستر اسی فیصدی ہے۔ شہروں کی بیس فیصدی ہے۔ ستر اسی فیصدی وہ لوگ ہیں جو کسان ہیں غریب ہیں۔ کاشتکار ہیں۔ وسائل بہت محدود ہیں۔ اور یہ بڑے جاگیردار بڑے نواب بڑے وڈیرے سب کے وہ ماتحت ہیں۔ اور ان کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں ہے۔ ووٹ ان کا ہے۔ حکومت یہ کرتے ہیں۔ تو اس وقت یہ ٹھیک ہو سکتا ہے جب وہ لوگ، وہی طبقہ جب تک پارلیمنٹ میں نہیں آئے گا اس کے لئے ایک طریقہ کار نہیں بنایا جائے گا تو ہمارے سسٹم میں یہ خرابی رہے گی۔ کیونکہ نواب وڈیرا جاگیردار ان چیزوں کو چاہتا ہے کہ معاشرہ دبا رہے اور ہم حکومت کرتے رہیں۔ لالیکا صاحب کہہ رہے تھے۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ تبدیلی کیوں نہیں آتی ہے۔ ہماری بات کیوں سنی نہیں جاتی۔ کون سنے گا؟ کون جاگیردار سنے گا؟ بڑا تو نہیں سنے گا۔ متوسط طبقے کے لوگ آجائیں تو وہ پارلیمنٹ میں بھی چینج لائیں گے تو وہی طبقہ جب آئے گا تو ہم تبدیلیاں دیکھ سکیں گے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ جمہوریت چلے پارٹیاں چلیں۔ سسٹم چلے۔ مگر ڈیموکریسی ساتھ چلے۔ تو جب چلے گی تو انشاء اللہ اس طبقے کو بھی وہ موقع ملے گا۔ اور وہ طبقہ سامنے آجائے چاہے وہ جس پارٹی میں بھی ہو۔ تاکہ ایک انقلابی سوچ پیدا کرے۔ مگر موجودہ حکومت موجودہ حالات میں اور کیا کر سکتی ہے۔ صوبوں کی خود مختاری کا سوال تھا۔ ہر صوبے کو خود مختاری کی حدود کے مطابق آئین کے مطابق جو خود مختاری اس حکومت نے دی ہے میرے خیال میں وہ 77ء کے آئین میں بھی بھٹو صاحب نے بھی نہیں دی۔ پانی کا مسئلہ اور رائلٹی کا مسئلہ، حکومت نے ان مسائل کو اٹھایا اور کہتی ہے کہ بجلی کا ہو گیس کا ہو آپ کو آپ کا حق ملنا چاہئے۔ اور اس سے وہ مطمئن ہیں باقی صوبے کا کام ہے۔ کہ اپنے صوبے کے اندر اپنے فنڈز اپنے وسائل کی ترجیحات کو خود مقرر کریں مرکز تو ہر چیز میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا کہ مرکز مداخلت کرے اگر صوبے کا امن وامان خراب ہے تو صوبہ خود اس کا ذمہ دار ہے اگر مشکلات ہیں تو وہ مرکز سے کہہ سکتے ہیں کیوں کہ سب صوبے مرکز کی اکائی ہیں اور جب صوبوں کا آپس میں اتفاق ہو صوبوں کا نظام ٹھیک ہو تو مرکز اسی سے مضبوط ہوتا ہے۔

اب بلوچستان کا صوبہ ہے وزیر اعلیٰ ہے انہوں نے مختلف پارٹیوں پر مشتمل حکومت بنائی ہوئی ہے آئی جے آئی اور پی ڈی اے اور سب پارٹیاں اس میں شامل ہیں وہ اپنے انداز سے کام کر رہا ہے باقی جہاں تک وہاں کے بلوچ پشتون کا سوال ہے بلوچ پشتون صدیوں سے اکٹھے رہتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ بلوچ پشتون کے درمیان تضاد ہو بے اتفاقی ہو بلکہ صوبے کے اندر رہ کر کے اپنے آپ کو ترقی کی طرف کامزن کرے اگر بلوچ جدا ہو جائے پشتون جدا ہو جائے تو دونوں ترقی کی طرف نہیں جا سکیں گے تو ہماری کوشش ہے کہ وہ اکٹھے رہیں اور اکٹھے رہ کر صوبے کی ترقی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور یہی جمہوریت کا تقاضہ ہے اسمبلی وہاں موجود ہے وہ خود ایسے مسائل کو حل کرے اگر پشتون اور بلوچ میں تفرقہ پیدا ہو گیا ہے اس کو وہ خود سنبھالے مرکز پر یہ فرض عائد ہوتا ہے پارلیمنٹ کے ممبر بیس یا دس کے گروپ میں جائیں بلوچستان چلے جائیں' سندھ چلے جائیں' فاٹا چلے جائیں جہاں بھی چلے جائیں وہاں حالات کا جائزہ خود لے لیں بجائے اس کے کہ حکومت کمیٹی نامزد کرے ہمارا خود فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے پاس وہاں جائیں جو بھی زیادتی کر رہا ہو اس کو سمجھا دیں کہ یہ زیادتی نہ کریں یہ آپ کی طرف سے ہے پارلیمنٹ کے سب ممبران تجربہ کار ہیں چاہے ایک پارٹی سے ہیں چاہے دوسری پارٹی سے ہیں تو ملک میں امن رکھنا یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے اور جہاں تک صحافت کا سوال ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ان حالات میں ایک اخبار کا اور صحافت کا بھی بڑا رول ہے اور وہ بڑا حساس ہے اس ملک میں دو حساس محکمے ہیں ایک intelligence اور ایک صحافت اگر یہ عملی طور پر ایک اچھا رول ادا کریں ملک اور پاکستان کے مفاد میں تو میرے خیال میں کوئی ایسی بات نہیں ہو گی کہ کسی طرح یہاں ایک دوسرے کے خلاف نفرت ہو یا ایک دوسرے کے خلاف ایسے حالات ہوں یہ فرض پریس کا بنتا ہے ہم کہتے ہیں پریس کے ساتھ بھی زیادتی نہیں ہونی چاہئے مگر پریس بھی اپنی ذات کو مدنظر نہ رکھے ملک کے حالات کو مدنظر رکھے اور اس طرح سے اپنا کردار ادا کرے کیونکہ ہر شخص جب صبح اٹھتا ہے ایک نہ ایک اخبار پڑھتا ہے اخبار کی سرخیاں کبھی معمولی خبر کو کبھی headline لگا کر اس کو ایسے انداز میں پیش کرتا ہے جو سب کے لئے حیران کن ہوتا ہے کہ یہ بات اتنی نہیں تھی جتنی بڑھا چڑھا کر پیش کی گئی ہے یہاں ہاؤس کا معاملہ سب آپ کے سامنے ہے پارلیمنٹ کے ممبر صاحبان کیا بات کرتے ہیں اور پریس میں کیا آتا ہے اور

روز یہ بات ہوتے ہے کہ پریس کو سمجھا لو اب پتا نہیں پریس سمجھتا نہیں ہے اس کا اپنا ایک انداز ہے اور جب پابندی لگی دی جاے تو کہتے ہیں اچھی بات نہیں ہے جب پابندی ضیاء کے زمانے میں لگی تھی وہ بھی اچھی بات نہیں بھی پریس کی آزادی بھی چاہتے ہیں جمہوریت بھی اس کے بغیر نہیں چلتی جب تک press coordinate نہ کریں تو میں کہتا ہوں کہ ہر اخبار کے رپورٹر ذمہ دار اور با اصول اشخاص ہونے چاہئیں تا کہ غلط خبریں نہ پہنچائیں اور غلط انداز میں پیش نہ کریں کیونکہ جب تک ہم اس چیز کو coordinate نہیں کریں گے تو ہمارا مستقبل کبھی ہمین روشن نظر نہیں آئے گا ہمیں ابھی تک بہت سے مسائل طے کرنے ہیں ابھی آگے جانا ابھی بہت چیزیں کرنی ہیں دنیائے اسلام کے تمام ممالک کی نظریں ہم پر لگی ہوئی ہیں وسط ایشیاء کے ممالک کی نظریں ہم پر لگی ہوئی ہیں تو جب ہم اپنا انداز نہیں بدلیں گے تو پھر ان سے کیا ہم توقع کریں گے دنیا کو آگے لے جانے کے لئے ہمیں آگے جانا ہے ایک انقلاب پیدا کرنا ہے اب یہاں موٹروے کا ایک پلان سامنے آیا تمام ملک میں واویلا مچ گیا' بھئی موٹروے تو کوئی ایسی چیز نہیں کہ کوئی شخص اپنے ساتھ اٹھا کر باہر لے جائے یہ تو تمام ملک کے لئے ہے اب افغانستان میں 1960ء میں جب دو سڑکیں بنی تھیں قابل سے قندھار اور قندھار سے چمن اور ہرات تو افغانستان کا نقشہ بدل گیا تمام trade افغانستان کے تھرو شروع ہو گئی تمام tourists افغانستان جانے شروع ہو گئے ان سڑکوں کی وجہ سے اس سے پہلے افغانستان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی تھی ہم ابھی تک شیر شاہ سوری کی جی ٹی روڈ استعمال کر رہے ہیں Sindh Indus Highway دس پندرہ سال پہلے شروع ہو گیا تھا وہ stop ہو گیا ہے تو یہ موٹر ہائی وے صرف اسلام آباد لاہور کے لئے نہیں بلکہ اخبار میں آج آ گیا ہے کہ پشاور تک کے لئے اعلان کر دیا گیا ہے ٹینڈر ہو جائیں گے کل یہ ملتان تک بنے گا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ملتان سے ڈیرہ غازی خان لورالائی کوئٹہ چمن تک لے جائیں بلکہ گوادر تک ضرور جانا چاہئے کیونکہ گوادر ایک پورٹ ہے پسنی ایک پورٹ ہے ان سب کو ملا دیں اس سے ہماری اپنی سہولت بھی ہو جائے گی اور بین الاقوامی تجارت بھی اسی سے ہو گا۔

ان چیزوں کو روکنا' ترقی کو روکنا ہے میں کہتا ہوں اگر opposition اپنے انداز سے کام کرتی ہے تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ایسے پروجیکٹ کی ہم مخالفت کیوں کریں ہم ایسی مخالفت نہ کریں کہ اس ملک کا نقصان ہو جائے ہر چیز کا scandal بنانا ہماری ایک روایت

بن گئی ہے cooperative scandal اپنی جگہ تھا اتنا اچھالا گیا اتنا اچھلا گیا کہ پتہ نہیں اس حکومت نے ختم ہی ہونا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب نیت ٹھیک ہو اس کے لئے جب ایک کمیشن بٹھایا گیا تو اس نے یہ اعلان کر دیا کہ جو متاثرین ہیں پچاس ہزار تک ان کو پچاس ہزار کیش ملیں گے جو پچاس ہزار سے زیادہ ہے ایک لاکھ ان کو سرٹیفکیٹ ملیں گے اور سب کو اپنی رقومات مل جائیں گی تو میرے خیال میں اس حکومت نے ہر چیز کا مقابلہ کر لیا ہے اور یہ تہیہ بھی کیا ہوا ہے کہ انشاء اللہ ہمارے جو اقدام ہیں وہ ملک کے مفاد میں ہوں گے۔

جہاں تک احتساب کا سوال ہے میں کہتا ہوں ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اپنا احتساب خود کرے اور ایسا ادارہ جو احتساب کرتا ہوں اس کو مضبوط بنا دیں مجھے یاد ہے جب 1977ء کا مارشل لاء لگا تو اس وقت تمام ایم این ایز پارلیمنٹ کے ممبر سب کے لئے احتساب کا عمل جاری ہو گیا tribunals بن گئے میں بھی اس وقت ایم پی اے تھا جب tribunal بنا اور میں چیئرمین کے پاس گیا تو چیئرمین نے کہا کہ بھئی آپ لوگ کیا کر رہے ہو میں نے کہا کہ tribunal کو آپ لوگ جو یہاں فوجی بیٹھے ہو پھر آپ اپنے آپ پر بھی چلا دیں تا کہ یہ احتساب پھر آپ پر بھی چل سکے سیاستدانوں پر چلتا ہے تو آپ پر بھی چلنا چاہئے ایک طرف تلوار نہیں چلنی چاہئے تو یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ احتساب اپنے مقاصد کے لئے نہیں یہ قوم کے مفاد کے لئے ہونا چاہئے احتساب ضروری ہے چاہے اپوزیشن کا ہو چاہے حکومت کا ہو ہر ایک کو اپنا احتساب کرنا چاہئے اس احتساب سے گزرنے کے بعد انسان اپنا جائزہ لگا سکتا ہے کہ میں کتنے پانی میں ہوں کتنے پانی میں نہیں ہوں اس ملک میں ترقی اس وقت ہو سکتی ہے کہ ملک کے تعلیمی نظام بہتر بنا دیا جائے۔ جناب والا! ملک کی حالت تو یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ شرح خواندگی 30 فیصدی ہے میں کہتا ہوں کتنے پڑھے ہوئے ہیں وہ تیس فیصدی کہاں پڑا ہوا ہے آج کل تو بی اے والا بھی اپنے دستخط نہیں کر سکتا ہے اس تعلیم کے معیار کو ہم نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کیا 30 سال پہلے تعلیم کا یہی معیار تھا وہ کیوں یہاں تک پہنچا کیوں کہ ہم نے تعلیمی اداروں میں سیاست کی بنیاد رکھ دی ہے تمام سیاسی پارٹیوں کے لوگ تعلیمی اداروں میں ہیں ہم نے طلباء کو ایک طاقت مان کر کے سیاست شروع کی ہوئی ہے طلبا نے سیاست شروع کر دی ہے

بلکہ طلبا کو ہم لوگوں نے ہتھیار بھی دے دیئے ہیں بلکہ ہیروئن کی پڑیاں بھی دے دی ہیں ان اداروں کو تو ہم نے یہاں تک تباہ کر دیا ہے ہم اب کیا توقع کریں کہ ہماری آنے والی نسلیں اس ملک کا نظامے دنیا میں یا یہ دنیا جو اتنی ترقی پر جا رہی ہے کمپیوٹر آ رہا ہے اس سے کہاں تک مقابلہ کر سکیں گے جب تک ہم سیاست کو تعلیمی اداروں سے نہیں نکالیں گے بلوچستان کی حالت یہ ہے کہ ایک سال سے یونیورسٹی بند پڑی ہے کالج بند پڑا ہے اسی سیاست کے چکر میں طلبا ہیں اور رسیاست ہے اور ایک دوسرے پر گولی چلاتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھمکی دیتے ہیں تو یہ سیاست اس ملک کے لئے تعلیمی اداروں میں تباہ کن ہے ہمیں صاف ستھری سیاست کرنی چاہئے تعلیمی اداروں سے ہٹ کر کرنی چاہئے یہ بھی ہمارے لئے ایک سوچ کا مقام ہے۔

تمام پارلیمنٹ کے ممبران کو تمام سیاستدانوں کو اس ملک کے مفاد میں سوچنا چاہئے کہ ہم ملک میں سیاست کی دکان چمکائیں یا آنے والی نسلوں کو ہم تباہ کریں سیاسی وفاداریوں کے متعلق صدر صاحب نے کہا ہے میں کہتا ہوں سیاسی وفاداری کا ایکٹ آنا چاہئے یہ پاس ہونا چاہئے یہ سیاسی وفاداری تبدیل نہیں ہونی چاہئے تاکہ پارٹیاں ہمیشہ کے لئے مستحکم ہو جائیں اور منظم ہو جائیں اور یہ خوف دور ہو جائے اب تک پاکستان میں اس بے اصولی کی سیاست میں کسی کو سزا نہیں ملی ہے ہر ایک نے فائدے اٹھائے ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں اگر ایک واقعہ ہوا ہے وہ جے یو آئی کا ایک بلوچستان میں امیدوار تھا 1988ء میں جب پارٹی کے اصول سے منحرف ہوا تو اس کا استعفیٰ بھی لیا گیا اور اس کی نشست پر الیکشن بھی دوبارہ ہوا یہ پاکستان کی تاریخ میں واحد ایک واقعہ ہوا ہے اور یہ کتنی اچھی روایت ہے کہ پارٹی کے اصول سے منحرف ہونے کے بعد وہ سیٹ کھو دیتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک ہم اپنے اوپر خود پابندیاں نہیں لگائیں گے اپنے آپ کو خود ایک اصول میں نہیں ڈھالیں گے اس وقت تک ہمارے لئے یہ مشکلات رہیں گی۔ یہ افراتفری رہے گی اس کو پھر ہم کہاں کنٹرول کریں گے۔ افغان ایشو پر بہت سی باتیں ہوئی تھیں میں کہتا ہوں ابھی افغانستان میں تیرہ سال سے کتنا خون بہہ گیا ہے وہ کافی ہے۔ تیرہ لاکھ چودہ لاکھ آدمی مر گئے اب اس کا حل بھی تو ہونا چاہئے۔ یو این او بھی کہہ رہا ہے اس کا حل ڈھونڈ رہے ہیں اس نے بھی اس کا حل ڈھونڈ لیا ہے وہ جرگہ بناتے ہیں تو پاکستان بھی اس پر agree ہے ایران کے ساتھ بھی ہم agree ہیں ایک agreed فارمولے کو آپ دوبارہ کیوں چھیڑتے ہیں کہ جنگ جاری رہنا چاہئے کس کے ساتھ جاری رہنا چاہئے روس تو چلا گیا ہے اب بھائی بھائی کو مارنے کے لئے جاری رہنی چاہئے یہ چیزیں اب ختم ہونی چاہئے۔ پالیسی ایک ہونی چاہئے۔

اب مسلم لیگ کمیٹی کے اندر متفقہ فیصلہ کیا ہے یو این او نے جو بھی فیصلہ کیا ہے اور پاکستان نے جو بھی فارمولا agree کیا ہے اسی فارمولے کو بھی جاری رکھنا چاہئے اس میں تضاد نہیں ہونا چاہئے کوئی ممبر لیگ کا ہو آئی جے آئی کا ہو پھر وہ اس کے خلاف اپنا بیان نہیں دے سکتا ہے نہ پریس دے سکتا ہے۔ کشمیر کے مسئلے پر اس حکومت کا موقف واضح ہے اس حکومت نے جتنا بھی کشمیر issue کو اٹھایا ہے اور ہر فورم پر لے گیا ہے یو این او کے انڈیا resolution کے ساتھ اس مسئلے کا حل جو ہے اس مسئلے کو حل کروالیں۔ انڈیا سے ہم وار نہیں چاہتے اگر ہم وار چاہئیں گے تو پھر وہ بھی ہم سے لڑائی کر سکتا ہے۔ کیا لڑائی مسئلے کا حل ہے؟ اگر امن سے ایک مسئلے کو حل کر سکتے ہیں اس دنیا میں جب تک ہم نے آگے جانا ہے تو امن بہت ضروری ہے۔ ان تمام واقعات پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور حکومت جو اچھے اقدام کر رہی ہے اور میں اپوزیشن سے بھی استدعا کرتا ہوں جو اچھے کام ملک کے مفاد میں ہیں اس میں آپ بھی ہمارا ہاتھ بٹا دیں۔ میں آپ کا بڑا مشکور ہوں آپ نے مجھے ٹائم دیا اور خدا ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس ملک کی خدمت کر سکیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ جناب سید مزمل شاہ صاحب

سید مزمل شاہ: شکریہ میڈم ڈپٹی چیئرمین۔ یہ ہاؤس صدر مملکت کی 19 دسمبر کی تقریر پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ میں بھی اسی کا ایک حصہ ہوں۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین۔ جہاں تک صدر کے خطاب کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ اس قدر جامع اور حقیقت پسندانہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر رائے زنی تضیع اوقات ہی ہے۔ دوسری بات اس ہاؤس میں بہت سے باصلاحیت ممبران نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور اس معاملے پر اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ اس کو میں اس طرح تشبیہہ دوں گا۔

اس چمن میں پھول تو پھول ہیں، پتیاں بھی باقی نہیں رہیں کہ میں ان کو سمیٹ کر اس گل پاشی میں شریک ہو جاؤں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! مجھے اپنی کم مائیگی کا بھی احساس ہے لیکن میں اپنی طرف سے صدر مملکت کے خطاب پر اور جو موجودہ حالات ہیں ان پر کچھ نہ کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں میں اپنے الفاظ کی ابتداء صدر مملکت کی تقریر کے اس حصے سے کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے جمہوریت کی بقاء کے متعلق فرمایا اور جس پر پاکستان کی عمارت کا سارا اسٹرکچر کھڑا ہے۔ ان کے الفاظ اس طرح ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ الفاظ صرف الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ اس ملک کے پندرہ کروڑ عوام اور بالخصوص اپوزیشن پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ صدر پاکستان نے اپنی تقریر کی ابتداء میں فرمایا۔ عوام جانتے ہیں کہ یہ ملک جو ایک جمہوری تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا صرف اور صرف جمہوریت پر ہی کاربند رہ کر زندہ رہ سکتا ہے قومی اتحاد کا فروغ ہو کہ ملکی سالمیت کا تحفظ گوناگوں مسائل کا حل ہو کہ بہتر مستقبل کی تعمیر میڈم ڈپٹی چیئرمین میں ان الفاظ کو دوبارہ دوہراہوں گا کہ ایک بہتر مستقبل کی تعمیر امن وامان کی جستجو ہو کہ دنیا میں عزت توقیر کی تلاش ہر قومی آویزش کے اصول کے لئے جمہوریت ناگریز ہے۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین! اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اس جمہوریت کے ساتھ کیا کیا اور ہمارا ماضی کن خطوط پر محیط ہے حکمرانی کا لالچ رکھنے والے کچھ متوالوں نے اس ملک کو جمعہ بازار بنا کر رکھ دیا اور پوری قوم کو ایک تمسخر کے حوالے کر دیا۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین جمہوریت کی اس روشنی کو اندھیروں کے حوالے کر دیا میں اجازت چاہوں گا کہ تاریخ کے ان اوراق سے ماضی کے ان کرداروں پر مختصر سی نظر ڈال سکوں۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین اکتوبر 51ء میں قائد ملت کی شہادت سے 24 اکتوبر 54ء تک تاریخ نے ایک تھکا دینے والی اور تکلیف دہ مسافت طے کی اسمبلیاں بار بار وجود میں آتی رہیں اور توڑ دی گئیں عوام اپنے نمائندے منتخب کرتے رہے لیکن آدھی رات کو شب خون مارا جاتا رہا کبھی مارشل لاء لگا دیا جاتا تھا اور کبھی حکومتیں توڑ دی جاتی تھیں 59ء میں پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کو توڑ دیا گیا اور افتخار ممدوٹ کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا 51ء میں قائد ملت کو لیاقت باغ میں شہید کر دیا گیا یہ ملک میں پہلی سیاسی لیڈروں اور سیاست میں تشدد کی ابتداء تھی۔ سندھ اور پنجاب میں یہ کھیل بار بار دوہرایا جاتا رہا۔ 24 اکتوبر 54ء کو غلام محمد نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کو پہلی دفعہ توڑ دیا۔ محمد علی بوگرہ کو دوبارہ وزارت سازی کے

لئے اس شرط پر کہا گیا وہ ایوب خان سکندر مرزا اصفہانی میر غلام علی تالپور اور ڈاکٹر خان صاحب کو اپنی وزارت میں شامل کریں یہ وہ پانچ شرفاء تھے جو کہ اسمبلی کے ممبر نہیں تھے۔ ون یونٹ کے تحت صوبہ مغربی پاکستان کو بھی ایک سے زائد بار اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے رخصت کیا جاتا رہا 1958 تک وزارتیں بار بار بنیں اور ٹوٹیں تا آں کہ سکندر مرزا اور ایوب خان نے اسمبلی توڑ کر مارشل لا کی ابتدا کر دی۔ چار سال بعد ایوب خان نے ایک محدود جمہوریت کی بقا کے لئے اور براہ راست عوام سے نمائندگی چھیننے کے لئے 1962 کے آئین کا ڈرامہ رچایا اور اس آئین کو مقافات عمل کے طور پر 1969 میں یحییٰ خان نے توڑ دیا۔ 1970 کے پہلے عام انتخابات کے تحت جو اسمبلیاں وجود میں آنے والی تھیں، انہیں یحییٰ خان کی آمریت نے خون کے سمندر میں ڈبو دیا۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین، یہ بڑے فکر کا مقام ہے اور میں آپ اور اس پورے ہاؤس کی اور پوری قوم کی توجہ اس واقعہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور پھر میں اس فقرے کو دہراؤں گا کہ یحییٰ خان کی آمریت نے ملک کو خون کے سمندر میں ڈبو دیا۔ اگر اس اسمبلی کا اجلاس منعقد کر لیا جاتا تو ممکن تھا کہ یہ ملک ٹوٹنے سے بچ جاتا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! میں یہاں ضروری سمجھتا ہوں کہ ریکارڈ کو صاف کرنے کے لئے لئے کچھ چند باتیں اور بھی عرض کروں۔ یہ کہا جانا کہ سیاست دانوں کے ہاتھوں ملک ٹوٹا، یہ قطعاً، قطعاً غلط ہے۔ اگر آپ ماضی کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو وہاں بین الاقوامی سطح پر ایسٹ پاکستان کو بحران سے بچانے کے لئے جو کوششیں شروع تھیں، ان پر آپ غور کریں تو جون کے مہینے میں شاہ ایران نے روس کے اس وقت کے صدر مسٹر پذگورونی سے یحییٰ خان کی ملاقات کا انتظام کیا تا کہ ہندوستان کو مداخلت سے روکا جا سکے، زئے قسمت کہ جب یحییٰ خان نے روس کے صدر سے ملاقات کی تو اس وقت ان کی حالت غیر تو تھی ہی، مسٹر پذگورونی نے صدر پاکستان کو جب مسٹر پریزیڈنٹ کہہ کر بلایا تو اس کے جواب میں سکندر مرزا نے کہا کہ مسٹر پریذیڈنٹ آپ مجھے ہمیشہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہتے تھے، آج آپ نے مجھے پریذیڈنٹ کیسے کہہ دیا۔ اس نے نہایت خوش گپی کے موڈ میں اس سے کہا کہ آپ پریذیڈنٹ ہیں اس لئے میں نے آپ کو پریذیڈنٹ کہا ہے تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ اگر کہنا ہے تو یہاں دل سے کہوں، یہاں زبان سے نہیں۔ آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ

اتنے بڑے ملک کے صدر سے جب ہم اس سے امن کی بھیک مانگنے جا رہے تھے، اس قدر توہین آمیز الفاظ کہنے سے واضع ہوتا ہے کہ یحییٰ خان کی خواہشات کیا تھیں اور وہ کیا چاہتے تھے۔

جناب چیئرمین! یہ بھی نہیں، یوگوسلاویہ کے صدر ٹیٹو سے اسی شام جب یحییٰ خان کی ملاقات ہوئی تو صدر ٹیٹو نے فرمایا کہ یحییٰ خان بنگال کے قضیہ کو حل کرنے میں سنجیدہ نظر نہیں آتے۔ میں ذوالفقار علی بھٹو کی وکالت نہیں کرتا لیکن وہ ایک سیاست دان تھا، مجھے اس حقیقت کو اس ہاؤس کے سامنے واضع کرنا ہے کہ جب حالات زیادہ خصوصاً مشرقی پاکستان میں دگرگوں ہوئے تو میری یاد کے مطابق 10 جون کو مجیب کو ذوالفقار علی بھٹو نے تار بھجوائی کہ جس طرح بھی ممکن ہو پاکستان کی سالمیت کو بچانا ہے اگر اس کے لئے مجھے اگر چل کر آپ کے پاس آنا ہو، تو اس کے لئے بھی تیار ہو، لیکن عوامی لیگ کے نقطہ نظر کے مطابق اس وقت کافی دیر ہو چکی تھی۔ 15 جون کو یحییٰ خان، مجیب سے بات کرنے کے لئے خود پہنچے لیکن وہ ملاقات کامیاب نہ ہو سکی۔

چوہدری اسد الرحمان: پوائنٹ آف آرڈر،

میڈم ڈپٹی چیئرمین: چوہدری صاحب، یہ پہلے ہی decide ہوا ہے کہ کسی رکن کی تقریر کے دوران پوائنٹ آف آرڈر نہیں اٹھایا جائے گا۔

چوہدری اسد الرحمان: میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تاریخ درست کی جا رہی ہے یا خراب کی جا رہی ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: ان کے بعد جو آپ درستگی کرنا چاہتے ہیں کر لیں لیکن اس وقت نہیں۔

چوہدری اسد الرحمان: محترمہ، 25 مارچ 1971ء کو مجیب کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد ملٹری ایکشن ہوا۔

سید مزمل شاہ: میں نے جناب 15 جون کی تاریخ بتائی ہے۔

چوہدری اسد الرحمان: یہ جو پندرہ جون اور پچیس جون کی تاریخ بتائی جا رہی ہیں۔ وہ اس وقت جیل میں تھا۔

سید مزمل شاہ: میں نے 15 جون کی بات کی ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : سید مزمل شاہ صاحب، آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔ مہربانی فرما کر آپ انہیں پوائنٹ آف آرڈر پر disturb نہ کریں۔

سید مزمل شاہ : تو 15 جون کو جب جنرل یحیٰ ڈھاکہ تشریف لے گئے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : پلیز آرڈر ان دی ہاؤس۔

سید مزمل شاہ : تو یہ ملاقات کامیاب نہ ہو سکی اور انہوں نے واپس آ کر عوامی لیگ کو خلاف قانون پارٹی قرار دے دیا جس سے تصفیہ ڈھاکہ کی تحریک کو تقویت دی گئی۔ محترمہ ڈپٹی چیئرمین !

اس کے بعد 14 دسمبر کو جو حالات پیدا ہوئے اس کو یاد کرتے ہوئے ایک پاکستانی کی حیثیت سے تن و بدن میں لرزہ طاری ہوتا ہے اور ستم ظریفی دیکھیں کہ جنرل یحیٰ اس وقت کے صدر نے جب فوج کو ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا تو اس وقت کے گورنر نے یہاں اسلام آباد میں ان سے بات کرنے کی سعی و جدوجہد کی لیکن اتنی نازک صورت حال میں اس کو ٹیلیفون پہ کال نہیں دی گئی اور ادھر 14 دسمبر کو پاکستان کی ناقابل تسخیر فوج کو جبراً ہتھیار ڈلوا دیئے گئے اور یہاں ہمارا ریڈیو اور ٹیلی ویژن یہ کہہ رہا تھا کہ حالات مکمل طور پر قابو میں ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ایک ایسا جانکاہ واقعہ ہے جس کی تاریخ کبھی ازالہ نہ کر سکے گی 1971ء میں عنان حکومت ذوالفقار علی بھٹو نے سنبھالی۔ اور 77ء میں اس حکومت کو بھی توڑ دیا گیا۔ فوج نے صرف حکومت پر ہی نہیں بلکہ میں یہ سمجھوں گا کہ 77ء میں ملک پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ صدر ضیاء الحق صاحب نے جدید ترین مگر نسبتاً پیچیدہ ٹیکنیک کے ذریعے آمریت کی ایک نئی روایت رکھی۔ عوام کی رائے کی بار بار توہین اور مثبت نتائج کے نام پر فوج کو منفی سیاست سے ہمکنار کر دیا گیا۔ جنرل صاحب نے 85ء میں غیر جماعتی انتخاب کروا کر، ان کے نتیجے میں جو اسمبلیاں وجود میں آئیں ان پر الزامات لگا کر حکومت اور اسمبلیوں کو خود ہی توڑ دیا۔ 88ء میں جب جناب جتوئی صاحب نے عنان حکومت سنبھالی اور ملک میں نئے الیکشن کرائے گئے اس کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کو اختیارات سونپا گیا۔ لیکن اس حکومت کو 6 اگست 90ء کو حسب سابقہ وہی بدعنوانی کے الزامات لگا کر اسمبلیوں اور حکومت کو توڑ دیا گیا۔ 24 اکتوبر 90ء کو موجودہ حکومت برسر اقتدار آئی۔

ڈپٹی چیئرمین صاحبہ ! 51ء سے لے کر 58ء تک یہ بڑا ہی پر آشوب دور تھا۔ اس ملک کی تاریخ میں جس میں اس ملک کو مکمل طور پر بد نصیبی شکست و ریخت اور جمہوریت کو مکمل طور پر دفن کرنے کی سعی ناکام کی جاتی رہی۔ اور اس میں ملک کی سالمیت اور جمہوری قدروں کو بالکل اکھاڑ بچھاڑ کر رکھ دیا ملک کو مکمل طور پر سمندر کی گہرائیوں میں پھینک دینے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں جسٹس یعقوب علی نے عاصمہ جیلانی کیس میں جو فیصلہ لکھا ہے وہ اس ہاؤس کے ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سکندر مرزا اور ایوب خان نے مل کر شب درمیان 7 اور 8 اکتوبر 59ء کو قوم کے قانونی نظام کو اکھاڑ پھینکا ان کا جرم صریح بغاوت کا جرم ہے یہ کرتے وقت انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ 1956ء کے دستور جسے وہ منسوخ کر رہے ہیں ایک ایسا ایکٹ تھا جس کے تحت مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام نے بطور ایک قوم رہنے کا تہیہ کیا اور یہ کہ یہ عہد بڑی لگن اور جتن سے معرض وجود میں آیا تھا چنانچہ ان کا یہ اقدام مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کی یکجہتی پر ایک کاری ضرب ثابت ہوا۔ جو تیرہ برس بعد مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں رنگ لائی۔ عاصمہ جیلانی کیس میں سپریم کورٹ نے ایک کیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایک ملک کو دنیا کے تمسخر کا نشانہ بنا دیا گیا ایک ایسا ملک جو تاریخ اور آئین کے تحت وجود میں آیا تھا جس آئین میں مقننہ عدلیہ ' انتظامیہ وضاحت سے تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ ایک آمرانہ نظام میں بدل گیا۔ اور فوجی ڈکٹیٹر شپ کا شکار ہوا اس کے بعد عوام جو خدائے بزرگ و برتر کے عطاء کردہ اقتدار کے وارث تھے عارضی حکومت کے نظام اور بست و کشاد سے الگ کر دیئے گئے۔ اور تمام تر طاقت کا عامل ایک آمر اور ان پر حکومت مسلط کر دی گئی۔ جس طرح کوئی فاتح جرنیل ' کسی شکست خوردہ رعایا پر کرتا ہے میڈم ڈپٹی چیئرمین سب باتیں کرنے کا میرا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اجمالی طور پر ہمارے سامنے کیا صورت حال تھی تو یہی صورت حال ہے کہ ملک ٹوٹ آکر آدھا ہو گیا پوری دنیا جانتی تھی کہ پاکستان ایک ایسی فوج کا امین ہے جو ناقابل تسخیر سمجھی جاتی ہے اس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا گیا۔ عوام اور مسلح افواج میں نفرت اور افتراق ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ غیر عوامی اداروں کی حاکمیت نے جمہوریت کی پینتالیس سالہ عمر ضائع کی۔ ماضی میں معاشی اور اقتصادی ناہمواریوں نے مایوسی اور بد امنی کو جنم دیا۔ آبادی ایک مناسب حد تک رکھنے کی منصوبہ بندی نہ کی جا سکی۔ پہلے تو کوئی پنجسالہ

منصوبہ بنا ہی نہیں۔ اور اگر بنا بھی تو اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ مالی ضرورت کو حسب ضرورت نہ بڑھائے جا سکنے کی وجہ سے افراط زر نے عوامی زندگی کو مشکل ہی نہیں بلکہ ناقابل برداشت بنا دیا۔ حکومتی اداروں پر سے عوام کا اعتماد تقریباً ختم ہو چلا۔ جس کی وجہ سے اصلاح احوال ناممکن نہیں تو مشکل موجودہ حکومت کے لئے یقیناً ہے۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین! آج ہم تاریخ کے اس نازک موڑ پر کھڑے ہیں۔ جہاں ہمیں ایک طرف ماضی کے واقعات کو گہری نظر سے دیکھنا ہے اور دوسری طرف دشمنوں کی حکمت عملی کو بھی سمجھنا ہے۔ جو تواتر سے وطن عزیز کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ تاریخ کی سرزمین پر اپنے قدموں کو مضبوطی سے جماتے ہوئے مستقبل کے آئینہ میں جھانک کر دیکھنا ہے۔ ہمارا رویہ سطحی اور سرسری ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ جس وقت ہماری ذمہ دارانہ یا غیر ذمہ دارانہ کاوش تاریک ادارے کو کسی بھی سمت لے جا سکتی ہے۔ میڈم ڈپٹی چیئرمین 17 اگست 88ء کو ایک دوسرا جانکاہ ہوائی حادثہ ہوا۔ جس نے سیاسی نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔ اس وقت کے فوجی سربراہ نے بڑے اعتماد سے کہا کہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ آئین کے مطابق اقتدار کی منتقلی ہو گی۔ یہ بہت ہی خوش آئند اور مثبت قدم تھا۔ الحمدللہ کہ ایسا ہی ہوا۔ اگر اس وقت فوج اقتدار کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتی تو عوامی سطح پر یقیناً یہ بات خلاف توقع نہ سمجھی جاتی۔ میڈم چیئرمین، قوم جمہوریت اور پارلیمنٹ چاہتی ہے۔ مستقبل میں پوری قوم کو ساتھ لے کر چلنے کے لئے ہمارے دانشوروں اور لیڈروں کو یہ چیلنج قبول کرنا پڑے گا۔ میری مراد اس چیلنج سے ہے جو میں نے پہلے عرض کیا قوم جمہوریت اور پارلیمنٹ چاہتی ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ پارلیمنٹ کے تحت عوام اور مسلح افواج میں ہم آہنگی قائم کی جائے۔ میں اپنے الفاظ دوبارہ دہراؤں گا کہ ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ پارلیمنٹ کے تحت مسلح افواج اور عوام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے اور آئین کے مطابق ملکی اختلافی معاملات کے فیصلے آزاد عدلیہ کو سونپ دیئے جائیں۔ صدر پاکستان وزیر اعظم پاکستان سربراہ افواج پاکستان کو مل بیٹھ کر اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے منفی رجحانات کا سدباب کرنا ہو گا تاکہ اعلیٰ اداروں کی کارروائی منظم اور مربوط ہو سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ اداروں سے میری مراد مقننہ عدلیہ فوج اور سول بیوروکریسی ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! میں مختصر سا اپوزیشن کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ 19 دسمبر کو صدر کے خطاب پر اپوزیشن نے جس بے راہروی کا مظاہرہ کیا۔ ممبران پارلیمنٹ کے لئے یہ جتنا غیر متوقع تھا اتنا ہی حیران کن اور قابل مذمت بھی تھا میڈم ڈپٹی چیئرمین اس پر پارلیمنٹ میں بہت باتیں ہوئی ہیں لیکن اس واقعہ کو صرف پارلیمنٹ میں ہی نہیں بلکہ عوام میں بھی اس کا شدید ردعمل ہوا ہے۔ میں رواداری اپناتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اپوزیشن کو خدا عقل سلیم عطا فرمائے کہ وہ صدر مملکت کے خطاب کے مطابق جمہوری روایات اپنا سکے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! اب میں خارجہ پالیسی کے متعلق بھی مختصر سا عرض کروں گا ہماری خارجہ پالیسی کی کیا اچھائیاں ہیں اور کیا خرابیاں اس سے تو ابھی تک اس ایوان کو اعتماد میں نہیں لیا گیا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس پر ہمیں مزید سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہو گا اگر ماضی کی اس تکلیف دہ صورتحال کا تجزیہ کریں تو واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ 1948ء میں کشمیر کی آزادی کی تحریک کی ناکامی 1965ء میں ہندوستان کی ہماری سرحدوں کو تبدیل کرنے کی مکروہ کوشش افغانستان کا قضیہ اور چالیس لاکھ مہاجرین کا پچھلے 13 سال سے ہماری معیشت پر بے پناہ دباؤ کشمیر اور افغانستان میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر تاحال عمل نہ ہونا ان تمام اسباب کے پیچھے کسی نہ کسی بڑی طاقت کا ہمیشہ ہاتھ رہا ہے اور ہماری بدقسمتی سے انہی ہاتھوں نے ملک کے اندر سے کچھ لوگوں کو ملکی مفاد کے خلاف اکسایا میں اس وضاحت میں نہیں جانا چاہتا کہ وہ کون لوگ تھے اس لئے کہ اس پارلیمنٹ کا ہر معزز و محترم رکن اپنی تاریخ کو جانتا ہے اور ان لوگوں سے بھی باخبر ہے اندرونی سیاسی خلفشار نے بھی ہماری خارجہ پالیسی پر کافی خطوط نقش کئے جس کی وجہ سے ہم بیرونی دنیا میں دوستوں میں اضافے کی بجائے ان میں کمی کر بیٹھے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! میری گزارش ہو گی کہ ان باتوں کے ازالے کے لئے بہتر منصوبہ بندی کی جائے خاص کر سپر پاور سے اختلاف کی فضا کو کم کرنے کی کوشش کی جائے جرمنی اور روس میں بڑی جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان علاقوں کے رشتے اور ضرورتیں بدل رہی ہیں ہمیں بھی اپنی خارجہ پالیسی میں انتہائی محتاط فکر اور تبدیلی لانی ہو گی اس کے لئے میری تجویز ہو گی کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوان سے دو کمیٹیاں ایسے ممبران پارلیمنٹ کی تشکیل دی جائیں جو خارجہ پالیسی پر عبور رکھتے ہوں اور ان کو جز وقتی نہیں ہمہ وقتی

ہونا چاہئے تاکہ وہ عالمی افق پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کے تناظر میں اپنی خارجہ پالیسی کو ازسرنو ترتیب دے سکیں صدر پاکستان نے بھی اپنی تقریر میں اس خدشے کا اظہار کیا ہے ملکوں کی تاریخ کو جذبات سے نہیں ہوش سے سنوارا جاتا ہے مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ جذبات بھی انسانی زندگی کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں لیکن ایسے جذبات جن کے ساتھ ہوش کا عنصر شامل رہے یقیناً عوامی سطح پر ہمارے دوست ملک امریکہ کے متعلق شبہات ہیں میں یہ عرض کروں کہ ہمیں اپنے قومی وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی آزاد خارجہ پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے امریکہ کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانا چاہئے بالخصوص اسلامی ممالک اور وسط ایشیا کی نو آزاد ریاستوں کو ہماری خارجہ پالیسی میں اولیت دی جانی چاہئے یہ وقت کی اشد ضرورت ہے۔

اس ضمن میں میری یہ گزارش ہو گی کہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف صاحب اپوزیشن کے تمام لیڈران کو خواہ وہ انفرادی طور پر بہتر سمجھتے ہیں یا اجتماعی طور پر بہتر سمجھتے ہیں ان کو بلا کر خارجی اور داخلی معاملات میں ان کا تعاون حاصل کریں تاکہ قومی ترقی میں اصلاح احوال ممکن ہو سکے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! یہ وہ مختصر سے الفاظ تھے جو میں نے اپنی خارجہ پالیسی کے متعلق عرض کئے اب کچھ باتیں مختصراً میں داخلی معاملات پر بھی کرنا مناسب سمجھتا ہوں اس میں پہلی بات کہ صدر پاکستان نے موجودہ حکومت کی داخلی پالیسی کو بڑا ہی تسلی بخش قرار دیا ہے صدر مملکت ایک بزرگ اور دانشور سیاستدان ہیں ان کا یہ کہنا نہ تو کسی کی چاپلوسی کرنا ہے اور نہ کسی کو غیر ضروری طور پر اوپر اٹھانا ہے۔ ان کی بات حقیقت پسندانہ ہے۔ اس پر ہم خوشی کا اظہار کرتے ہیں بہت سی حکومت کی پالیسیوں کو سراہا گیا ہے اور کچھ کے متعلق آرڈر شیٹ نہیں بلکہ راہنمائی کے طور پر کہا گیا ہے کہ ان باتوں پر بھی حکومت کو فوری طور پر توجہ مبذول کرنی چاہئے۔ اور جن باتوں کو انہوں نے خصوصیت سے سراہا ہے اس پر غور اور فکر یہ راہنمائی کرتا ہے یقیناً وہ مسئلے کافی عرصہ سے اس ملک اور قوم کی ضرورت تھے۔ مثال کے طور پر تاریخ میں پہلی دفعہ صوبوں کی طرف سے احساس محرومی کو آئینی تقاضوں کے مطابق ختم کیا جا رہا ہے اور اس کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مشاورتی کونسل قومی مالیاتی کمیشن اور پانی کی تقسیم کے مسئلے جن کو آج بڑے شور و غول اور عوامی مطالبے کے باوجود پچھلے 45

سال میں کسی نے توجہ نہیں دی اور اس معاملے کو چھیڑنے کی جرأت نہیں کی ہمیں خوشی ہے اور ہمیں اس بات پر فخر کرنا چاہئے کہ مشکل مسائل کو کسی نہ کسی وقت تو حل کرنا ہی تھا پرائم منسٹر نے بروقت اقدام کر کے ایک انتہائی احسن قدم اٹھایا ہے جس کی نشاندہی صدر پاکستان نے بھی فرمائی ہے۔ جہاں تک نج کاری کے عمل کا تعلق ہے حکومت کا یہ اقدام تو یقیناً مثبت ہے لیکن عوامی سطح پر اس کے متعلق بڑے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں اس مسئلے کو کچھ ایسے میکنزم سے کیا جاتا ہے کہ وہ عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! میں آپ کی وساطت سے عرض کروں گا کہ اس کی جتنی جلدی ممکن ہو سکے عوام کے لئے عام فہم بنایا جائے تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔ یہ کیسے ہو رہا ہے اور اس کے فوائد کیا اور کب ہوں گے اس میں کوئی شک نہیں جس صدر پاکستان نے کہا کہ حکومت کی پالیسیاں یقیناً بڑے دور رس نتائج کی حامل ہیں اور میں یہ عرض کروں گا کہ ان کے نتائج شاید کچھ دیر تک عوام تک پہنچیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی پالیسیاں وضع کی جائیں جن کے اثرات مالی فوائد کے لحاظ سے عوام تک جلدی پہنچ سکیں اور ان میں ایک بات انتہائی ضروری ہے کہ صنعتی ترقی میں زراعت کا بڑا عمل اور دخل ہوتا ہے یہاں پر ایک فیشن بن گیا ہے میں اپنے دوستوں سے معافی سے عرض کروں گا کہ بار بار وڈیروں اور جاگیرداروں کی باتیں کی جاتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں ملک میں جاگیردار کون ہیں میرے علم میں تو کوئی ایسا نہیں ہے انگریزوں کی دی ہوئی مراعات سے اس نے کوئی فائدہ اٹھایا ہو۔ جہاں تک انگیریزوں کی غلامی کا تعلق ہے اس میں تو سبھی رہے ہیں لیکن میرے علم میں اپنی پچاس سالہ زندگی میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے اور میں پچھلے 22 سال سے سیاست سے وابستہ ہوں میں نے کوئی ایسی مرعات دیکھی ہو یہ ایک عام فیشن ایبل لفظ بن گیا ہے۔ جس کی سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اور ووٹ حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا اور آج بھی اس کو اپنی زبان اور الفاظ کا حصہ بنایا ہوا ہے میں بڑے فخر سے یہ کہوں گا کہ اس دھرتی اس پاکستان کو حاصل کرنے والے لوگوں میں زمیندار صف اول میں تھے اور اس وقت برصغیر کے اس حصے میں نہ تو کوئی صنعتی ادارے تھے اور نہ ہی اس وقت ہمارے پاس کوئی فوج تھی اس وقت اگر مالی ضرورت تھی تو زمیندار نے پوری کی اگر فوجی ضرورت تھی تو زمیندار نے پوری کی اگر قربانی دی تو زمیندار نے دی اس وقت اس تحریک کو عوام نے

مقبول بنایا تو زمیندار نے بنایا۔ یہاں فرنیئر کے پٹھانوں کے متعلق بھی کچھ باتیں ہوئی ہیں۔ یہاں پنجاب میں پنجابیوں کے متعلق بھی کچھ باتیں ہوئی ہیں۔ یہ انہی باتوں کا حصہ ہے جو کسی وقت مشرقی پاکستان والوں کو کہا جاتا تھا تم پنجاب میں مغربی پاکستان والوں کی کالونی ہو اور اس کے نتائج سب نے دیکھے۔ آج یہاں بھی وہی صورت حال پیدا کی جارہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنیئر میں ایک ریفرنڈم ہوا تھا۔ سیاست میں ہر آدمی کا نقطہ نظر علیحدہ ہوتا ہے۔ وہ قابل اعتراض نہیں ہو سکتا ملک میں غداری قابل اعتراض ہو سکتی ہے لیکن سیاست میں نقطہ نظر کا اختلاف کوئی جرم نہیں ہے۔ جناب والا! میں قائداعظم کا وہ واقعہ عرض کروں گا۔ جب قائداعظم پشاور میں تشریف لائے اور باچا خان صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے وہاں پر مطالبہ کیا کہ ہمیں پٹھانستان چاہئے۔ انہوں نے جواب میں کہا خان صاحب! اگر آپ کو پاکستان کے نام سے پٹھانستان اچھا لگتا ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ آج وہی لوگ پاکستان کی اسمبلیوں میں بیٹھے ہیں اور پاکستان کا تحفظ کر رہے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! میں یہ عرض کروں گا کہ یہاں صوبائی تعصب اور علاقائی مسائل زبانوں کے مسائل ان پر جو باتیں ہوتی ہیں یہ بڑی غیر مناسب ہیں ہمیں صرف اور صرف پاکستانی بن کر سوچنا ہو گا۔ اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو میں واضع طور پر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کوئی خوش فہمی میں نہ رہے۔ سب ٹھیک کی رپورٹ غلط ہے۔ یہاں وفاق کی اکائیوں کو مطمئن کر کے، اور بھائی چارے کی فضا پیدا کر کے آپ اس ملک کی سالمیت کو بچا سکتے ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! میں زراعت کی بات کر رہا تھا، اب پلٹ کر اس پر آتا ہوں، میڈم ڈپٹی چیئرمین، زمیندار اور کاشت کار کو زراعت کی ترقی کے لئے سبسیڈی دی جاتی تھی، اس کو پچھلی حکومت نے بلکہ اس سے پچھلی حکومت نے واپس لے لیا تھا اور زراعت میں اس رعایت سے جو ترقی ہوئی تھی، وہ پھر تنزلی کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں ہر سال ایک کثیر رقم گندم کی درآمد پر خرچ کرنا پڑتی ہے اور وہ بھی فارن ایکسچینج میں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ موجودہ حکومت کو اس کی طرف فوری توجہ دینی چاہئے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین! اگر اس بات کو غور سے دیکھا جائے کہ آج روس جیسا عظیم

قوم اور ملک امریکہ اور دیگر یورپی مالک سے گندم کے بدلے اپنی ایٹمی طاقت، یعنی اپنی قومی انرجی دینے کے لئے تیار ہو گیا ہے تو خدانخواستہ جو تھوڑی بہت رہی سہی طاقت اگر اس وقت ہمارے پاس ہے، تو وہ زرعی ہے کہ کسی حد تک ہم اس میں خود کفیل ہیں، کہیں اس حالت سے جو روس میں پیدا ہوئی ہے، اس سے ہم دو چار ہو گئے تو ہمارا کیا بنے گا۔ ہم اس عمل سے، کیسے کامیابی سے نکل سکیں گے۔ تو میری یہ استدعا ہے کہ حکومت کو کھاد، بجلی، ڈیزل اور ٹریکٹر کے معاملات میں زمیندار اور کاشت کار کو رعایت دینا چاہئے اور اگر ہم اس قابل ہو سکیں کہ باہر سے گندم نہ منگوائیں تو اس رعایتی قیمت کو اپنی ملک سے خرید کردہ گندم کے ساتھ شامل کر کے بھی، اس کی قیمت کا اندازہ اور توازن کیا جائے تو وہ بیرونی دنیا کو جو قیمت ہمیں ادا کرنا پڑتی ہے، اس سے کم پڑے گی تو لہٰذا میری یہ استدعا ہو گی کہ لازماً اس رعایت کو بحال کیا جائے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! میں کچھ تھوڑا سا بجلی کی پیداوار کے متعلق کہنا چاہوں گا کہ میرے علم کے مطابق اس وقت تک جتنی بجلی ہم ملک میں پیدا کر سکے ہیں، یہ ہماری ضرورت کا 30 یا 32 فیصد ہے اور یہ انتہائی کم ہدف ہے۔ دو چیزیں، رسل و رسائل کے معاملات اور بجلی کی ضرورت اور مسئلہ، یہ کسی ملک کی ترقی کے لئے بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں میں صرف ایک تجویز یہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ بھی کاغان تشریف لے گئے ہوں گے ہمارے ان دوستوں میں سے بھی کئی دوست تشریف لے گئے ہوں گے۔ کاغان ویلی میں دریائے کنار سے اپنے ملک کی 70 فیصد بجلی بڑی آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جگہ جگہ چھوٹے بند باندھ کر ان سے بے پناہ بجلی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں 48 میں ایک سروے بھی ہوا تھا لیکن ہمارے ملک میں ہر پالیسی کے پیچھے کچھ مصلحتیں ہوتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے پیچھے کیا مصلحت تھی لیکن بہر حال آج تک اس سروے کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ میں آپ کی توسط سے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ ہم کاغان ویلی میں رہنے والے لوگوں کو اس سے کافی مشکلات پیدا ہوں گی اس لئے کہ ہماری تمام زرعی زمینیں دریا کے ساتھ ساتھ ہیں لیکن جہاں دوسری طرف قومی فائدے کو پرکھا اور دیکھا جائے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے میری یہ استدعا ہو گی اور میری اس ہاؤس کے ہر ممبر سے بھی استدعا ہو گی کہ حکومت کو اس بات کے لئے مجبور کیا جائے کہ وہ ایسی جگہ پر بجلی

پیدا کرنے کا انتظام کرے جو زمانہ جنگ اور امن' دونوں میں محفوظ ترین ہو۔ اور میں بڑی ذمہ داری سے یہ کہتا ہوں کہ تربیلا جو ہمارا بہت بڑا منصوبہ ہے' اس پر جتنے پیسے خرچ ہوئے ہیں اس سے دس گنا کم پیسوں پر بلکہ بیس گنا کم پیسے خرچ کر کے وہاں اس سے تیس گنا بجلی پیدا کی جا سکتی ہے تو لہٰذا یہ مسئلہ حکومت کی فوری توجہ کا مستحق ہے تاکہ عوام کی پریشانیوں میں بجلی کے معاملے میں کمی کی جا سکے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! جہاں تک پریس اور دوسرے انفارمیشن میڈیا کا تعلق ہے اس کے متعلق صدر پاکستان نے مختصر لیکن بڑے ہی قابل غور باتیں کی ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تحریک پاکستان کے وقت جس طرح ہمارے پریس اور انفارمیشن میڈیا نے اس ملک کو بنانے کے لئے جہاد کیا تھا آج اس کو محفوظ کرنے کے لئے بھی اسی جذبے کی ضرورت ہے میں ان سے یہ عرض کروں گا کہ یہ جذباتی قسم کی خبریں لگانے کے بجائے اگر وہ اپنے آپ کو ایک تعمیری تنقید کے لئے تیار کریں اور عوام کی ترجمانی ایسی شدومد سے کریں جس شدومد سے آزادی کے وقت کی گئی تھی تو میرے خیال میں بہت سارے مسائل کا حل ہو جائے گا اور دوسری بات یہ ہو گی کہ اسے اچھے اور برے میں تمیز کرنے میں بھی آسانی ہو گی۔ اس لئے میری پریس سے یہ گزارش ہو گی کہ وہ اس ملک کو بچانے کے لئے ایک تعمیری تنقید اور اپنے عوام کو باخبر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین ! اب ایک آخری بات کہ معاملہ سب ٹھیک ٹھیک کا نہیں ہے۔ میں اس ملک کے وزیر اعظم کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک امن وامان کا تعلق ہے' مہنگائی اور بے روزگاری کا تعلق ہے' اگر ان چیزوں کو قسم کرنے کے لئے کوئی فوری طور پر انقلابی اقدام نہ کئے گئے تو یہ ایک ایسی کالی بلائیں ہیں جو شاید بہت جلد اس حکومت اور پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ تو میری یہ عرض ہو گی کہ اس معاملے پہ حکومت کو انتہائی سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ اس کے ساتھ میں سارے دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کا بھی ڈپٹی چیئرمین شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے بولنے کا موقع دیا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : شکریہ ! جناب آصف فصیح الدین وردگ۔

جناب آصف فصیح الدین وردگ : میڈم ڈپٹی چیئرمین! میں سب سے پہلے جو صدر پاکستان نے اپنا جو آئینی فرض اور حق ادا کیا اور اپنے روائتی انداز میں دانشمندی اوز خوبصورتی سے پارلیمنٹ کو اور قوم کو آگاہ کیا کہ پارلیمنٹ کے سامنے کیا مسائل ہیں اور قوم کے سامنے کیا مسائل ہیں' اور ان کے حل کی کیا سمت ہونی چاہئے۔ میں جہاں ان کے ایڈریس کو سراہتا ہوں وہاں میں اپوزیشن کا جو وہاں رویہ تھا اس کو قابل مذمت سمجھتا ہوں۔ وہاں جو سب سے اچھی بات ہوئی وہ یہ ہوئی کہ treasury benches نے بہت صبر اور تحمل سے کام لیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن مسائل کی طرف صدر صاحب نے قوم کی توجہ مبذول کروائی ان میں سے چند اہم معاملات پر میں بھی اپنے خیالات آپ کی وساطت سے اس ہاؤس کے سامنے رکھوں۔ میرے نزدیک اس وقت سب سے اہم مسئلہ کشمیر کا ہے صرف اس لئے نہیں کہ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا گیا بلکہ اس لئے بھی کہ وہاں کشمیر کے مسلمان ایک ایسی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں اور اس جدوجہد میں متعدد جانوں کی ہر روز قربانی دے رہے ہیں اپنے خون سے ایک مردہ مسئلے کو دوبارہ زندہ کئے ہوئے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں' میں پہلے بھی اس ہاؤس میں عرض کر چکا ہوں کہ شملہ معاہدہ جو ایک دباؤ کی کیفیت میں پاکستان سے دستخط کروایا گیا تھا اس کو ہندوستان از خود ختم کر چکا ہے اور ہمیں اسے ختم تصور کرنا چاہئے اس حد تک' جس حد تک کہ کشمیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہندوستان اس کو اس طرح سے ختم کر چکا ہے کہ اس میں کہا گیا bilaterally تمام مسائل حل کئے جائیں گے اور اسی معاہدے میں کہا گیا کہ کشمیر کا مسئلہ دونوں ممالک کے درمیان ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ اور پھر تقریباً دو دہائی سے تقریباً زیادہ عرصہ اس مسئلہ کو زیر بحث لانے سے ہندوستان انکار کرتا رہا اور اس طرح سے اس نے اس معاہدے کی اسی شق کی نفی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان نے اس معاہدے سے ہٹ کر کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہا اور آئینی ترمیمات بھی اس ضمن میں کیں۔ اور پھر ساتھ ہی وہ خود دنیا میں اس مسئلے کو لے کر گیا حتیٰ کہ سیکورٹی کونسل تک بھی پہنچا۔ اس لحاظ سے ہمیں شملہ معاہدے کی اس شق کو ہمیں کالعدم سمجھتے ہوئے یہ واضح اعلان کر دینا چاہئے کہ یہ شق کالعدم ہے اور اب ہم بھی کشمیر کے مسئلے کو اسی طرح سے دنیا میں لے کر جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یونائیٹڈ نیشن تو اپنا کام کر چکی ہے آپ کے حق میں

resolution دے چکی ہے۔ اس وقت جس بات کی ضرورت ہے وہ مختلف ممالک کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ کشمیر کی طرف توجہ مبذول کروائیں، ہم انکی توجہ مبذول کروائیں اور وہ اپنی توجہ مرکوز کریں اور ساتھ ہی ساتھ دارالخلافوں سے آگے بڑھتے ہوئے مختلف مالک کے عوام تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ دنیا کا جو اجتماعی ضمیر ہے اس کو چونکایا جائے اور جس طرح سے ہم نے کوشش، میرے نزدیک ایک غیر ضروری کوشش، ہم نے مسٹر جسٹس انوار الحق کے لئے اور گوہر ایوب صاحب کے لئے ہم نے کی مختلف ممالک میں، اس سے کئی گنا زیادہ زوردار مہم ہمیں کشمیر کے مسئلے سے دنیا کی اقوام کو آگاہ کرنے کے لئے فوری طور پہ جاری کرنی چاہئے اور اس میں پارلیمنٹرین کو مکمل طور پر ساتھ لے کر چلنا چاہئے اور ان کو استعمال کرنا چاہئے اور ہر ملک میں چھوٹے چھوٹے پارلیمنٹری delegations چاہئے ایک فرد کی ہو یا دو افراد پر مشتمل ہو ہر ملک میں فوری طور پر بھیجنی چاہئے۔ اور دنیا کے میڈیا کو یہ بات پہنچانی چاہئے اور ان کے ذریعے دنیا کے عوام تک پہنچانی چاہئے تاکہ کشمیر کے مسئلے کو انسانی مسئلے کی حیثیت سے اجاگر کیا جائے اور اس طرح سے دنیا کے ضمیر کو چونکایا جائے اگر امریکہ ویت نام سے نکلا تو وہ اس لئے نہیں نکلا کہ اسے کوئی وہاں فوجی شکست ہوئی تھی بلکہ اس لئے نکلا کہ ساری دنیا کا ضمیر حتیٰ کہ خود امریکی عوام کے ضمیر، امریکہ کی غاصبانہ پالیسی کو بڑی بری نگاہ سے دیکھتا تھا اور امریکہ پر زور ڈال رہا تھا کہ آپ یہاں سے نکلیں اور بالآخر امریکہ کو نکلنا پڑا۔ ہمیں بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا۔

کشمیری عوام کی جدوجہد کو ساری پاکستانی قوم سلام کرتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف جدوجہد کا آغاز ہے۔ آزادی کی جدوجہد طویل ہوتی ہے۔ اور اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور جو لوگ اس عوامی جدوجہد کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں ان کو اور ایسے ممالک کو تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے لیکن ان تکالیف کو برداشت بھی کرنا پڑتا ہے۔ اگر North Veitnam تین سو air raids ایک دن، چوبیس گھنٹوں میں لے سکتا تھا اور high farm کہ port کو چوبیس گھنٹے شیلنگ برداشت کر سکتا تھا۔ South Veitnam کی آزادی کے لئے تو پاکستانی قوم کو جو بہت جذباتی انداز میں کشمیر کی آزادی کی بات کرتی ہے۔ اسے بھی اپنے آپ کو کچھ قربانی کے لئے تیار کرنا چاہئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس خطے کا ایک بہت مسئلہ ہے وہ ہے افغانستان کا مسئلہ۔ میرے بہت سے بھائی اس سینٹ میں افغانستان کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں اور میں بہت حیران ہوا ایسے لوگوں کی یہ بات سن کر جنہوں نے آج حکومت پاکستان کے رویہ کو سراہا اور کہا کہ افغانستان میں سیاسی settlement ہونی چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک military coup کو S.R.O. Revolution کہتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو روسی فوج کی ٹینکوں بر آمد کو ایک عوامی سوشلسٹ انقلاب کہتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مجاہدین کو بھگوڑے کہتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان کو امپیری لسٹ ایجنٹ کہتے تھے۔ اور آج یہ اس بات کو سراہ رہے ہیں کہ یہ بھگورے زور امپیری لسٹ ایجنٹ' یہ جن کی کوئی حیثیت نہیں' اور افغانستان میں تو کوئی جہاد ہے ہی نہیں' کوئی وہاں گڑبڑ ہے ہی نہیں۔ امن وسکون ہے۔

(اس مرحلے پر جناب چیئرمین وسیم سجاد کرسی صدارت پر متمکن ہوئے)

آج یہ لوگ سیاسی سمجھوتے کی بات کرتے ہیں۔ سمجھنا چاہئے کہ یہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ یہ صرف اور صرف اس لئے کہہ رہے ہیں کہ وہ سویت یونین میدان سے نکل گئی۔ سویت یونین کی کٹھ پتلی حکومت افغانستان کے چند شہروں پر قابض ہے اور اس کی رسد تمامتر ہوائی انداز سے ہے اور ایسی صورت' strategic حساب سے کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ نجیب کی حکومت نے گرنا ہی گرنا ہے۔ اور ملٹری سلوشن کا مطلب یہ ہے کہ نجیب کی حکومت اور نجیب اور پی ڈی پی اے کا خاتمہ ہو۔ اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے روس کی کٹھ پتلی حکومت کو بچانے کے لئے روس کے ایجنٹوں کو بچانے کے لئے یہ لوگ آج سیاسی سمجھوتے کی بات کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت ملٹری solution کے ساتھ ہے اگر پاکستان کے مفاد کو سامنے رکھنا ہے۔ تو پھر ملٹری solution ہی وہ solution ہے جس سے پاکستان کے تمامتر مفادات کا صحیح طور پر تحفظ ہو سکتا ہے۔

(مداخلت)

Mr. Chairman: Please no interruption, let the honourable Member complete his speech.

جناب آصف فصیح الدین وردگ: میں سمجھتا ہوں کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ روس جس

طرح سے گیا۔ سویت یونین جس طرح گئی۔ اسی طرح سے نجیب کی کٹھپتلی حکومت بھی جائے گی اور وہاں لازماً مجاہدین کی حکومت آئے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مین کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا اور یہ لوگ بھی اس بات کو سمجھ گئے ہیں اسی لئے بات آج مفاہمت کی کر رہے ہیں وہ لوگ مفاہمت کی بات کر رہے ہیں جو ان مجاہدین کو بھگوڑوں کا نام دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ چند لوگ ہیں جو پاکستان کی سرزمین پر آ کر صرف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ آج 85 فیصد افغانستان کا علاقہ انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور منت کرتے ہیں۔ یہ تمام ممالک جو نجیب کی سپورٹ کرتے تھے وہ آج منت کرتے ہیں کہ کسی طرح سے مفاہمت کر لو۔ مجاہدین کی بھی منت کرتے ہیں اور حکومت پاکستان اور حکومت ایران کی بھی منت کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا طریقہ کار تو واضع کیا جا سکتا ہے کہ کیا طریقہ کار ہو کیا مختلف مراحل طے کئے جائیں جن کے تحت افغانستان میں ایک ایسی حکومت آئے جو پاکستان کے ساتھ اپنے معاملات درست رکھ سکے۔ انہوں نے اب یہ بھی کہنا شروع کر دیا ہے۔ کہ نجیب مسلمان ہے۔ اور نجیب پاکستان کا دوست ہے۔ اسی نجیب کو کہہ رہے ہیں جس کے متعلق کہہ رہے ہیں جیسے یہ چیمپئن آف سوشلسٹ revolution کہتے تھے۔ اور جس نے ہر سکول، ہر کلاس روم میں لینن کی تصویر سامنے لگوائی تھی۔ اسی نجیب کو آج یہ مسلمان کہہ رہے ہیں اور اس نجیب کو پاکستان کا دوست کہہ رہے ہیں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: ڈاکٹر صاحب آج کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو۔ آپ کسی کو تقریر کیوں نہیں مکمل کرنے نہیں دیتے؟ what has happened نہیں نہیں پلیز، دیکھیں ہماری ایک روایت رہی ہے کہ جب کوئی تقریر کر رہا ہو۔

(مداخلت)

جناب شہزاد گل: یہ تو نجیب کی ہی بات کر رہے ہیں۔

جناب چیئرمین: جس کی مرضی بات ہو۔ ان کو تقریر کرنے دیں جب آپ کی باری آئے گی آپ اپنی کر لیں۔

but we have allowed in this House members to be interrupted while making speeches so please,

آپ اپنی باری پر جو مرضی بات کریں۔ جی۔

جناب آصف فصیح الدین وردگ : جناب چیئرمین صاحب۔ میں عرض کروں گا کہ اسے آج پاکستان کا دوست بھی کہا جاتا ہے۔ اسی شخص کو جو confidration propose کر رہا تھا۔ آزاد افغانستان کی آزاد شمالی پختونستان کی، آزاد جنوبی پشتونستان کی۔ اور آزاد بلوچستان کی۔ آج اسے پاکستان کا دوست پیش کیا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں ان لوگوں کی سوچ پر اور ان لوگوں کی عقل و دانش پر۔ میں سمجھتا ہوں کہ اندرونی طور پاکستان میں جو سب سے اہم کام ہے وہ ہے کسی طریقے پر ہم economic break through کریں۔ کسی طریقے پر ہم اقتصادی طور پر اپنے ملک کو آگے لے کر جائیں اور اس کے لئے تمام تر وسائل کو بروئے کار لانا چاہئے۔ ہماری فارن پالیسی اس بات کو مدنظر رکھ کر بننی چاہئے۔ ہماری اندرونی پالیسی goal کو سامنے رکھ کر بننی چاہئے اور ہماری تمام تر کارکردگی اس goal کو سامنے رکھ کر آگے بڑھنی چاہئے۔ ہماری حکومت کی کامیابی اور ناکامی کو اس بات سے پرکھا جائے گا کہ ہم نے اقتصادی میدان میں کیا کیا ہے۔ اور کیا نہیں کر پائے۔ اس میں انڈسٹلا یز یشن اور ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ صنعتی ترقی اور زرعی ترقی دونوں کو ساتھ ساتھ چلنا ہے۔ لیکن اس میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے صنعتی ترقی اور اقتصادی ترقی میں وہ ہے rupee currency or foreign exchange جب تک آپ rupee currency کو سیونگ سے مزید taxation base کو بڑھا کر، آپ اسے مضبوط نہیں کریں گے اسے بڑھائیں گے نہیں سیونگز کو نہیں بڑھائیں گے جب تک آپ فارن ایکسچینج کیلئے دنیا سے رجوع نہیں کریں گے تب تک آپ اپنی صنعتی ترقی اور زرعی ترقی کو آگے نہیں بڑھا سکتے۔ وہ لوگ جو ایک self-sufficiency کے slogan میں پھنس گئے ہیں خود انحصاری کے slogan میں پھنس گئے ہیں میں سمجھتا ہوں یہ ایک بہت خطرناک چیز ہے کیوں کہ خود انحصاری میں تو انسان بھوکا بھی مر سکتا ہے بڑی خود انحصاری سے بھوکا مر سکتا ہے اور خود اعتمادی سے بھی بھوکا مر سکتا ہے لیکن اگر ہم نے اپنی صنعتی ترقی کرنی ہے ہم نے اپنے معاملات کو آگے بڑھانا ہے بغیر investment کے نہ آپ اپنے van road کو چلا سکتے ہیں بغیر investment کے نہ آپ بجلی کی پیداوار بڑھا سکتے ہیں جس کے بغیر صنعتی ترقی کی بات کرنا ایک بیکار سی بات ہے نہ

foreign exchange کے بغیر آپ raw material اور capital goods حاصل کر سکتے ہیں۔self-sufficiency کی بات خدارا چھوڑ دیں اور اگر یہ صرف عوام کے لئے کی جارہی ہے تب بھی چھوڑ دیں اور سیدھے کھل کر سامنے آئیں کہ میں دنیا کی support چاہئے ہمیں دنیا کے اداروں کی support چاہئے ہم نے جو پالیسی اپنائی ہے جس کو دنیا سراہ رہی ہے اس پالیسی کو ہم نے پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے اور پاکستان کو اس راستے پر لے جانا ہے جس راستے پر ایشیا کے اور بہت چھوٹے چھوٹے ممالک چند سالوں میں ترقی کی منزلیں طے کر چکے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک اور بہت اہم چیز ہے اقتصادی break through کے لئے اور وہ سڑکوں کا پروگرام ہے سڑکوں کے پروگرام سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ پاکستان کے دیہاتوں کو شہروں کے ساتھ منڈیوں کے ساتھ لنک کرنا اور منڈیوں کو شہروں کے ساتھ لنک کرنا اور شمال کو جنوب کے ساتھ لنک کرنا وہ اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ جب تک وہ اندرونی infrastructure نہیں ہو گا اقتصادی ترقی نہیں ہو سکے گی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس معاملے میں Toyn Bee کے الفاظ سامنے رکھنے چاہئیں۔ جس نے کہا تھا کہ دنیا میں تاریخ میں ان شہروں نے اور ان ممالک نے ترقی کی جنہوں نے اپنے علاقوں میں round abouts بنائے چوراہے بنائے مراد اس کی یہ ہے کہ جنہوں نے international routes اپنے علاقوں سے گزارے جن کے علاقوں سے international routes مختلف سمتوں میں پھیلیں چاہے آپ مکہ معظمہ کو دیکھیں چاہے آپ بلخ کو جو دنیا کا نمبر ایک شہر ایک ہزار سال تک رہا آپ کسی بھی مرکز کو دیکھیں تو اس میں جب تک international routes اکٹھی نہ کی جائیں چاہے وہ sea کی routes ہوں sea lane ہوں جس طرح سے کراچی، چاہے وہ Air Routes ہوں چاہے وہ land routes ہوں جب تک آپ پاکستان کو اس سارے خطے کا round about نہیں بنائیں گے تب تک اقتصادی ترقی مشکل ہو جائے گی اور میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم جب dual carrige way کر رہے ہیں جی ٹی روڈ کو کراچی سے لے کر خیبر تک پشاور تک ہم جب Indus Highway بنا رہے ہیں تو اس وقت ترجیحی حساب سے Motor way کی ترجیح نیچے چلی جاتی ہے اس کی بجائے ہمیں RCD Highway پر توجہ دینی چاہئے تاکہ یورپ کے ساتھ ہمارے آر

سی ڈی کے جو partners ہیں ان کے ساتھ اور مڈل ایسٹ کے ساتھ ہمارے جو تجارت کے روابط ہیں وہ مضبوط ہوں ہمیں ہندوستان کے ساتھ اپنی سڑکوں کو کھولنے پر توجہ دینی چاہئے ہمارے road links موجود ہیں ہمارے rail links موجود ہیں ہمیں ان کو کھولنے پر توجہ دینی چاہئے ہمیں گوادر کی پورٹ کو develop کرنا چاہئے تاکہ sea lanes اور کھلیں ہمیں گوادر تک خضدار سے ایک international level کی سڑک پہنچانی چاہئے۔ ہمیں کوئٹہ سے ڈیرہ اسماعیل خان تک ایک چھ لین کی سڑک کا لنک قائم کرنا چاہئے ہمیں کوشش کرنا چاہئے کہ silk route کو واخان corridor کے پار تاجکستان کے ساتھ ملایا جائے یہ اس طرح سے جیسے افغانستان کا مسئلہ حل ہو ہمیں یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ افغانستان کی جو اپنی سڑکیں ہیں ان کے لئے international assistance حاصل کر کے افغانستان کی سڑکوں کو دوبارہ قابل استعمال بنایا جائے اور پاکستان سے سنٹرل ایشیاء تک یہ جو سڑکیں ہیں ان کو کھولا جائے تبھی پاکستان صحیح طور پر ایک communication کا round abouts بن سکے گا اور پاکستان کی ترقی اسی انداز میں ہو سکے گی جس طرح سے کہ ان round about کی تاریخ میں ترقی ہوئی ہے۔

عورتوں کے بارے میں جناب والا میں عرض کروں گا کہ اس ایوان میں ایک constitutional amendment Bill پیش ہوا تھا۔ اس وقت فخر امام صاحب وزیر قانون تھے۔ اگر مجھے صحیح یاد ہے تو انہوں نے یہاں اس ایوان کے فلور پر فرمایا تھا کہ قومی اسمبلی میں یہ بل پیش کیا جا رہا ہے عنقریب اس لئے اس کو یہاں سینٹ میں لانے کی ضرورت نہیں لیکن اس بات کو کئی ماہ گزر چکے ہیں اور ابھی تک وہ قومی اسمبلی میں پیش نہیں ہوا میں آپ کی وساطت سے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرواوں گا اور میں یہ خواہش رکھتا ہوں کہ حکومت فوری طور پر اپنے next اجلاس میں عورتوں کی نمائندگی کے Constitutional Amendment Bill National Assembly میں پیش کرے اور پھر سینٹ میں فوری طور پر لایا جائے۔ پریس کے بارے میں پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ ایک عرصہ سے 1970ء سے صحافیوں پر مختلف اوقات میں زیادتیاں ہوتی رہیں کبھی ان کی پٹائی کی گئی کبھی ان کو اقتصادی طور پر توڑنے کی کوشش کی گئی حتیٰ کہ ان کو

قتل بھی کیا جاتا رہا میں سمجھتا ہوں یہ بہت افسوسناک بات ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اس حکومت کے وقت میں جو بھی ایسا واقعہ ہوا ہے اس کے طرف ہمیں بہت توجہ سے اور بہت محنت سے جو اس میں لوگ مرتکب پائے جائیں۔ شر کے اور شرارت کے اور جن لوگوں نے صحافیوں کے ساتھ زیادتی کی ہے ان سب کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اس سے قطع نظر کے صحافی کیا لکھتے ہیں یہ ان کا حق ہے جو وہ چاہئیں لکھیں ہمارا حق صرف اتنا بنتا ہے کہ ہم جو چاہئیں پڑھیں اور جس کو چاہئیں اس کو توجہ دیں اور جس کو سمجھیں کہ یہ غلط بات ہے اس کو ہم قابل توجہ تسلیم کریں لیکن ان کے لکھنے کا حق ہم نہ چھینیں میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی سیاست میں ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنی اپوزیشن کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں ہمارا اپنی اپوزیشن کے ساتھ یہ برتاؤ تو نہیں ہونا چاہئے کہ کسی کو تو ہم لیاقت باغ میں شوٹ کریں کسی کو تو ہم جلاوطنی پر مجبور کریں جو ساری زندگی پھر جلاوطنی ہی میں رہے کسی کو ہم بیروت میں قتل کریں کسی کو ہم جیل میں ڈالیں اپوزیشن کے ساتھ یہ رویہ درست نہیں ہے میں سمجھتا ہوں Leader of the Opposition کو warrant of precedence میں نمبر پانچ پر رکھنا چاہئے میں سمجھتا ہوں کہ جتنے legislators ہیں چاہے وہ parliamentarian ہوں چاہے provincial assemblies کے جتنے legislators ہیں ان تمام کو کسی صورت میں arrest نہیں ہونا چاہئے ان کا حق ہونا چاہئے ضمانت کا' کوئی بھی گھناونے سے گھناونا جرم بھی وہ کریں تب بھی ان کا ضمانت کا حق ہونا چاہئے اور ان کو فوری طور پر bail as of right ملنی چاہئے تاکہ یہ جو ہم مختلف اوقات میں جھوٹے مقدامات بنا کر کبھی بھینس کا مقدمہ کبھی کمبل کا مقدمہ کبھی کوئی اور مقدمہ بنا کر ہم اپنی اپوزیشن کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں یہ زیادتی ختم ہو اور اپوزیشن کو ایک قابل عزت اور ایک باوقار زندگی گزارنے کا اور کام کرنے کا کھلا موقع دیں میں سمجھتا ہوں کہ parliament میں اور assemblies میں جتنے group leaders ہوں مختلف گروپس کے ان کو بھی اسٹاف ملنا چاہئے اور ان کو بھی دفاتر ملنے چاہئیں تاکہ یہ جو فرق ہے آج کہ ایک طرف تو جس وقت برسر اقتدار آتے ہیں تو وہ کسی مغل شہنشاہ سے کم نہیں ہوتے اور جب وہ اپوزیشن میں جاتے ہیں تو پھر ان کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی جاتی

ہے یہ جو فرق ہے یہ ختم ہونا چاہئے تب یہ لوگ اقتدار سے چمٹے رہنے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ وہ اس کو بھی ایک باعزت چیز سمجھیں گے کہ ہم اپوزیشن میں بیٹھ کر ملک اور قوم کی خدمت کریں میں سمجھتا ہوں اگر ہم اس ملک میں جمہوریت کو چلانا چاہتے ہیں تو یہ بہت ضروری ہے۔

میں چاہتا تھا یہ بات قاضی حسین احمد صاحب کے سامنے کروں لیکن بہرحال شاید وہ کہیں سن رہے ہوں ایٹم کی بات بہت ہوتی ہے اور اس ملک کا یہ عجیب المیہ ہے کہ جب دنیا atomic weapons کو ختم کرنے کی طرف بڑھ رہی ہے جب وہ ملک چین جو یہ کہہ رہا تھا کہ nuclear black mail ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے وہ بھی این پی ٹی کو سائن کرنے کی باتیں کرتا ہے۔ تو ہم ایٹم بم بنانے اور ایکسپورٹ کرنے کی بات کرتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ کافی ہو گیا پشاور میں جماعت اسلامی نے اپنا اسلامک بم پھاڑ دیا اب مزید explosion کی ضرورت نہیں وہ اپنے جلسے میں اسلامک بم blast کر چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں جہاں تک نیوکلیر ٹیکنالوجی کا تعلق ہے یہ ہمارا حق ہے یہ ہمارا اسلامی فرض ہے یہ ہمارا قومی فرض ہے ہمیں ٹیکنالوجی لازماً حاصل کرنی چاہئے اور اس میں کسی قسم کے پریشر کو برداشت نہیں کرنا چاہئے لیکن یہ جو ایٹم بم کی باتیں ہیں ان کو ہمیں ترک کرنا چاہئے خواہ مخواہ اپنے لئے مسائل کھڑے نہیں کرنے چاہئیں۔ میں جناب مزمل شاہ صاحب سے اس بات پر مکمل اتفاق رکھتا ہوں اگر ہم نے ان ایمپلائی منٹ' لاء اینڈ آرڈر اور انفارمشن ان تین چیزوں کو ہم نے چیک کرنے کی کوشش نہیں کی ان کو روکنے کی کوشش نہیں کی تو یہ ہمارے لئے حکومت کے لئے قوم کے لئے بہت بڑے مسئلے بن سکتے ہیں ہر روز ان ایمپلائی منٹ بھی بڑھ رہی ہے لاء اینڈ آرڈر کی situation کو بڑی سختی سے کنٹرول کرنے کی ضرورت پڑ رہی ہے اور جو مہنگائی ہے یہ بھی ہر روز بڑھتی چلی جا رہی ہے اور جو آئندہ کی پیشین گوئی ہے پاکستان کے متعلق وہ بھی یہی ہے کہ یہ inflation بہت تیزی سے بڑھے گی یہ تو short-terms باتیں ہیں جو long-term بات ہے جس کی طرف ہمیں مکمل توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ پاپولیشن ہے۔

پاپولیشن کو پلان کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی طرف اتنی توجہ دینے کی ضرورت ہے جتنی کہ ایوب کے دور میں دی گئی اور جس توجہ کو اس وقت کے ایوب کی ابتدائی دور میں

تمام علماء نے سراہا بھی۔ لیکن اس کا طریقہ کار مختلف ہو سکتا ہے اس کو کس طرف سے نبھانا ہے اس کے طریقہ کار واضع کئے جاسکتے ہیں یہ بات بہت اہم بات ہے کہ پاپولیشن کی پلاننگ کا بھی فوری طور پر بندربست کیا جانا چاہئے۔ جناب چیئرمین صاحب میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا اس اہم موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنے کا اور میں ہاؤس کا مشکور ہوں انہوں نے باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت پر بہت سی چیزیں گراں گزریں انہوں نے تحمل سے سنا۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین : شکریہ منٹو صاحب آپ کا نام اگلا ہے لیکن سرتاج عزیز صاحب نے جانا ہے کہہ رہے ہیں اگر مجھے چند منٹ دے دیئے جائیں تو پھر اس کے بعد آپ۔ جی سرتاج عزیز صاحب

جناب سرتاج عزیز : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جناب چیئرمین صدر صاحب کی تقریر پر جو مفصل بحث ہوئی اس میں اقتصادی مسائل اور جو ہمارے سامنے توقعات ہیں اس کا بھی تفصیل سے ذکر ہوا حکومت نے جو اصلاحات کیں ہیں کچھ ممبران نے اس کی تعریف کی اور کچھ ممبران نے اس پر تنقید کی اور بہت سی مثبت تجاویز بھی ہمارے سامنے آئیں جن کے لئے ہم ممبران کے مشکور ہیں بحث کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جو ہمارا اقتصادی اصلاحات کا پروگرام ہے جو ہماری معیشت کی سمت ہے وہ اس ہاؤس کے لئے اور اس کے ممبران کے لئے سمجھنا ضروری ہے تاکہ نہ صرف وہ اپنے علاقوں میں جا کر یا اپنی تقاریر میں بیان کر سکیں بلکہ اس کو تقویت بھی دے سکیں اپنی سپورٹ اور مدد کے ساتھ۔

اس وقت اقتصادی لحاظ سے پاکستان ایک بہت اہم موڑ پر ہے کیونکہ پچھلی دو دھائیاں جو گزری ہیں 70ء کی اور 80ء کی اس میں مجموعی طور پر ترقی کی رفتار تسلی بخش تھی لیکن بنیادی مسائل ایسے تھے جن کی طرف صحیح توجہ نہیں دی گئی بعض ممبران کو یاد ہو گا کہ 60ء میں پاکستان کی ترقی دینا بھر میں مثالی سمجھی جاتی تھی اس دھائی میں ہماری مجموعی ترقی کی رفتار 65ء کی لڑائی کے باوجود 7 فیصد تھی کیونکہ اس وقت ہم نے اکنامی کو کنٹرول اور ریگولیشن سے آزاد کرنا شروع کیا تھا امپورٹ کو لبرل لائز کیا تھا ایکسپورٹ کو بونس واوچرز کے ذریعے کسی حد تک لبرل لائز کیا تھا اس کے علاوہ انڈسٹریل انویسٹ منٹ شیڈول بنا کر انوسٹ منٹ کو liberalize کیا تھا اور اس کا بہت خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا۔

بدقسمتی سے جب وہ عمل ابھی جاری تھا اور ابتدائی مراحل میں تھا تو یہ بحث شروع ہو گئی آیا اس ترقی کا فائدہ کس کو پہنچا ہے اور اس وقت وہ مشہور بحث چلی 20 خاندانوں نے دو تہائی دولت پر قبضہ کر لیا ہے تمام بنک کے قرضوں پر قبضہ کر لیا ہے تمام سبڈیز انہوں نے لے لی ہیں اور اس debate کی وجہ سے 1970ء کے جو الیکشن ہوئے اس میں اس کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس کے نتیجے میں 72ء 73ء 74ء میں جو حکومت آئی انہوں نے اس پالیسی میں ایک بنیادی تبدیلی کی اور تمام انڈسٹری کو نیشنلائیز کیا بنک نیشنلائیز کیا انشورنس کمپنیز نیشنلائیز کیا اور اس کی وجہ سے ہماری ترقی کی رفتار جو 7 فیصدی سالانہ تھی وہ پہلے چار ساڑھے چار رہی اور پھر پانچ ساڑھے پانچ ہوئی لیکن اس مقام پر بھی نہیں پہنچی جو 60ء میں تھی اس وجہ سے یہ ہوا کہ ہم نے جو کارخانے قومیائے یہ ہم نے نہیں بلکہ دنیا بھر میں ایک وباء تھی جو پھیلی کہ پبلک سیکٹر کی ایکسپلینیشن جو ہے وہ large-scale پر چلی گئی ہمارے ہاں بھی وہی خرابیاں ہوئیں ہر یونٹ میں جہاں سو کی ضرورت تھی وہاں دو سو تین سو آدمی ہو گئے ٹیکنالوجی نئی نہیں آئی پرائس پالیسی صحیح نہیں تھی اور مجموعی طور پر حکومت کے بجٹ پر اس کا بوجھ پڑتا رہا لیکن ساتھ کنٹرول اور ریگولیشن کا جو نظام چلا اس سے پرائیویٹ سیکٹر کو جو موقع ملنا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا اور اس کے نقصانات کئی سطح پر نکلے جب بجٹ میں نقصان ہوتا رہے اور بجٹ صحیح نہ ہو تو ہمیں جو انفراسٹرکچر کو صحیح کرنا تھا بجلی کو پورا کرنا تھا سڑکوں کا نظام ٹھیک کرنا تھا وہ نہیں ہوا ہمیں جو سوشل سیکٹر کی طرف توجہ دینی تھی وہ نہیں ہوا تعلیم میں ہم پیچھے رہ گئے جو باقی رورل ڈویلپمنٹ ہے صحت ہے یا پینے کا پانی ہے وہ کام پورا نہیں ہوا اس تجزیہ کا بنیادی نکتہ یہ نکلا پچھلے 20 سال میں حکومت اپنے وسائل کا استعمال ان شعبوں میں کرتی رہی ہے جہاں وہ resources کا اچھا استعمال نہیں کر سکتی گھی بنانا اور بیچنا سیمنٹ بنانا کاٹن ایکسپورٹ کرنا سیمنٹ ایکسپورٹ کرنا اور وہ کام جو حکومت کو کرنے چاہئے تھے کہ تعلیم کو ٹھیک کرے صحت کو ٹھیک کرے یا کم ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی پر توجہ دے وہ وہ پوری طرح نہیں کر سکی یہ ہماری ڈویلپمنٹ پالیسی کا ایک بنیادی نکتہ پچھلی دو دھائیوں' کا ہے جس کو ہمیں مدنظر رکھنا ہے تو یہ ایک anarginal adjustment سے کام نہیں ہو سکتا آپ نے تھوڑے سے ٹیکس اور لگا دیئے تھوڑا سا پبلک سیکٹر کی efficiency بڑھا لی اس کے لئے ایک بنیادی تبدیلی کی

ضرورت تھی کہ جو پبلک سیکٹر کا رول ہے وہ ان شعبوں میں کم ہو جہاں وہ صحیح نہیں کر سکتی اس کی comparative advantage نہیں ہے نہ اسے کرنا چاہئے تاکہ وہ ان شعبوں کی طرف زیادہ توجہ دے سکے جو اس کا بنیادی فرض ہے اور جو وہ صحیح طریقے سے کر سکتی ہے۔ ایک طرف تو وہ اپنا رول شلنگ کر کے پرائیویٹ سیکٹر کو زیادہ space دے گی کہ وہ investment بڑھائے گروتھ بڑھائے اور ایمپلائی منٹ کے مواقع پیدا کرے اور گورنمنٹ خود وہ کام کرے جو اسے کرنے چاہئیں انفراسٹرکچر سوشل سیکٹر اور انوا رنمنٹل پروٹیکشن - یہ اس اسٹریٹجی کا ایک بنیادی ڈھانچہ ہے جس کو پچھلے سال سے ہم نے implement کرنا شروع کیا اس میں جو پہلا بنیادی step ہے وہ پرائیوٹائزیشن کا ہے جو یونٹ ہم نقصان پر چلا رہے ہیں اگر ہم نے 100 یا 115 یونٹوں میں پانچ ہزار یا چھ ہزار کروڑ کا سرمایا لگایا ہے تو ہمیں اس سے 10 فیصدی منافع آنا چاہئے لیکن اگر پانچ سو کروڑ نقصان ہو رہا ہے تو بجائے پانچ سو کروڑ منافع ہونے کے ہزار کروڑ روپے کا نقصان ہو گیا ایک سال دو سال بارہ سال پندرہ سال سترہ سال کون سا بجٹ ہے جو یہ نقصان برداشت کر سکتا ہے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اس نقصان کو ختم کیا جائے اس سے نہ صرف بجٹ پر خسارہ کم ہو گا بلکہ وہ یونٹ زیادہ فعال ہوں گے اس سے زیادہ نوکریاں نکلیں گے اس میں زیادہ expansion ہو گی اور وہ کام صحیح طریقے سے چلے گا تو یہ پرائیوٹائزیشن کی پالیسی جو ہے اس پر کافی بحث ہوئی اس discussion کے دوران میں اور میں نے سینٹ کی جو کمیٹی تھی اور ہاؤس کی جو کمیٹی تھی ان دونوں کی پچھلے ہفتے مشترکہ میٹنگ بھی کی تھی جہاں تفصیل سے اس چیز کو بیان کیا تھا کہ ہماری پرائیوٹائزیشن پالیسی کی کیا خصوصیات ہیں جن نکتوں کا بحث میں ذکر کیا گیا ہے میں مختصراً اس کے حوالے سے چار پانچ وضاحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہمارا پرائیوٹائزیشن کا طریقہ کار ہے اس پر بحث ہوئی ہے وہ transparent نہیں ہے یا صحیح نہیں ہے۔ اس میں ہمارا طریقہ کار بہت واضح ہے۔ کہ تمام یونٹ جو ہیں وہ اخبار میں اشتہار کے ذریعہ announce ہوتے ہیں۔ جس دن اس کے ٹینڈرز کھلتے ہیں' وہ سب کے سامنے کھلتے ہیں' میڈیا کے سامنے کھلتے ہیں۔ اس میں Privatization Commission کے پاس discretion نہیں ہے کہ negotiate کر کے کسی کو کچھ دے دے۔ وہ جو ہماری

valuation ہوئی ہے' اس کے مطابق اس کی minimum قیمت مقرر ہے جو bid اس قیمت کے اوپر آئے' اسے وہ ہم دے دیتے ہیں جو اس سے کم آئے' اس پر 90 فیصد پر negotiate کر سکتے ہیں' صرف روٹی پلانٹ جو بند تھے اور negotiate نہیں ہو رہے تھے' اس پر انہوں نے 80 فیصد پر negotiate کر کے دیئے ہیں اور اس میں جو valuation of Assettes ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اگر آپ اس میں strict evaluation کریں تو کم bids آئیں گیں اگر linent کریں تو لوگ کہیں گے کہ گورنمنٹ کا مال تھا' سستا بیچ دیا۔ تو کافی احتیاط سے ہماری جو کافی اچھی 20-25 فرمیں تھیں' ان کو اس طریقہ کار کے مطابق dispose کیا گیا ہے۔ اور اس دفعہ ہم نے minimum قیمت announce نہیں کی 20 یونٹوں میں تو لوگوں نے اس سے زیادہ قیمتیں دی ہیں باقی جو ہیں ان میں 90 فیصد پر آ رہے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ 100 یونٹ جو ہم نے advertise کئے تھے' ان میں سے چوبیس جو ہیں وہ ٹرانسفر ہو چکے ہیں اور ان میں سے چودہ یا پندرہ چار چھ ہفتے میں مزید ٹرانسفر ہو جائیں گے اور یہ بہت اچھی progress ہے کہ سو میں سے چالیس یونٹ' ہم ستمبر سے لے کر اب تک بیچ سکے ہیں۔

پچھلی گورنمنٹ نے اور اس سے پہلے جو گورنمنٹ تھی 1985 میں انہوں نے چودہ یونٹ پرائیویٹ سیکٹر میں دینے کی کوشش کی اور یہ تین سال میں یہ کام نہیں کر سکے تھے۔ 1985 اور 1986 کے بجٹ میں 200 سو کروڑ کا تخمینہ تھا' اور ہم اس سے ایک پیسہ بھی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ یہ عمل اتنی تیزی سے ہوا ہے اور خدا کے فضل سے کامیابی سے اب تک جاری ہے اور جو ساٹھ یونٹس رہ جائیں گے ان کو ہم اگلے مہینہ readvertise کریں گے بلکہ اس میں کچھ تبدیلی کر کے اس تجربہ کی روشنی میں' اس سال کے آخر ان یونٹوں کو بھی فروخت کر سکیں گے۔ بنکوں میں سے پانچ سے دو پرائیویٹ سیکٹر میں دیئے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں دو چیزیں ہیں جو اہم ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ملازمین کا تحفظ ہو' اس سلسلے میں بھی ہماری پالیسی اب تک بہت کامیاب رہی ہے کیونکہ

سب سے پہلے تو ہم نے پرائیویٹائزیشن کے عمل میں یہ شرط رکھی ہے کہ پہلے سال میں کوئی ملازم جو ہے وہ برطرف نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد ملازمین کی جو condition of service ہے' اور جو نئے رکھے جائیں گے' وہ کم نہیں کی جائے گی یعنی یہ کہ جی' ہم آپ کی تنخواہ آدمی کر دیتے ہیں' آپ نے رہنا ہے تو رہ لیں ایسا نہیں ہو گا بلکہ جو نئے رکھے جائیں گے' ان کو وہی شرائط ملازمت دی جائیں گی جو پہلے کی ہیں۔

اس کے علاوہ golden hand shake کی سکیم جو ہے وہ ملازمین کی یونین کے تعاون سے بنائی گئی ہے تاکہ جو لوگ ملازمت چھوڑنا چاہیں' وہ یونین کی سفارش پر چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر کسی ملازم کی نوکری 15 سال کی ہے تو اس کو 75 مہینے کی basic تنخواہ کے حساب سے golden hand shake دیا جائے گا۔ اس کا علاوہ جو اس کا اہم پہلو ہے وہ یہ ہے کہ ہم employees کو encourage کرتے ہیں کہ وہ اگر اپنا گروپ بنا کر کوئی یونٹ خریدنا چاہتے ہیں تو ان کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اب دو میں سے ایک بنک ایمپلائز کر دیا جا چکا ہے۔ اس میں سات ہزار پانچ سو ایمپلائز ہیں۔ اس کے بعد سات یونٹ جو ہیں' چالیس فروخت شدہ یونٹوں میں سے' وہ چالیس ہزار آٹھ سو ایمپلائز کو offer ہو چکے ہوئے ہیں۔ یا بک چکے ہیں۔ یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ broad basing جو ہے اس کا ایک بہت بڑا پہلو ہے۔ اس طرح اس خدشے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ کہیں concentration of economic power نہ ہو' اور یہ ساری دولت جو ہے یہ چند ہاتھوں میں نہ چلی جائے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جو لسٹ ہم نے circulate کی ہے' جو پمفلٹ میں نے تمام ممبران پارلیمنٹ کو بھجوایا ہے' جو ممبر یہ پمفلٹ مزید لینا چاہئیں لے سکتے ہیں' اس کی کاپیاں مزید موجود ہیں' اس میں جو جو یونٹ ہم نے آفر کئے ہیں ان تمام کے نام ہم نے یہاں دیئے ہیں' اس میں آپ خود دیکھ لیں کہ کون سے ایسے بڑے گروپ ہیں۔ ۔ ۔ زیادہ تر جو ہیں مڈل کلاس investors ہیں' چار کمپنیاں باہر کی نہیں' جیسے میں نے کہا کہ سات ایمپلائز کو چلی گئی ہیں۔ کافی broad base ownership ہے۔ theroatically یہ خدشہ ہو سکتا ہے لیکن ہم نے اس پر کافی احتیاط کی ہے کہ concentration of income کا جو خدشہ ہے وہ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ جو ہمارا

regulatory framework ہے اس کا tighten کر رہے ہیں جو privatize economy کے لئے بہت ضروری ہے۔ سنٹرل بنک کا لون' private banking کو کنٹرول کرنے میں' مناپلی کنٹرول اتھارٹی کا monopolies کنٹرول کرنے میں' کارپوریٹ لا اتھارٹی کا کارپوریٹ سرکل کے behaviour کو کنٹرول کرنے میں اور consumer کی protection کے لئے جو agencies ہیں' وہ بھی جلد ہی کام شروع کر دیں گی۔ کسی بھی ملک میں پرائیویٹائزیشن کا کوئی perfect سسٹم نہیں ہوتا ہے اور اس میں ہر جگہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے strong vested interest ہوتے ہیں اور اپوزیشن بھی ہوتی ہے اور جیسے میں نے کہا کہ اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ مال ان کو مل جائے تو وہ اپنی advertising compaign شروع کر دیتے ہیں اور ممبران اس compaign کو face value پر accept کر لیتے ہیں۔ اسی طریقے سے بعض اوقات بیورو کریسی میں رکاوٹ ہوتی ہے' بعض اوقات urk کا fear جو ہے وہ لوگوں کے لئے pressures create کرتی ہے لیکن ان تمام pressures کے باوجود دنیا کے level پر خدا کے فضل سے اب تک جو reception ہوئی ہے بلکہ ابھی ایک کامن ویلتھ کی یہاں پر میٹنگ ہوئی تھی' جس میں سترہ اٹھارہ ملکوں کے نمائندے آئے تھے' کافی high level یہ دیکھنے کے لئے کہ ہمارا privatization کا process کیسے چل رہا ہے' اور اس کا experience کیا ہے۔ ان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل نے پبلک میں بیان دیا تھا کہ پاکستان میں پرائیویٹائزیشن کا عمل زیادہ تر developing countries کے مقابلے میں کامیابی سے چل رہا ہے۔ انشاء اللہ ہم جب یہ complete کریں گے تو ہم مزید تفاصیل اس ہاؤس کو اور متعلقہ کمیٹی کو as a whole وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہیں گے تاکہ آپ کی تسلی ہو۔ جو reform اب تک privatization کے حوالے سے ہوئی ہیں اس کا دوسرا پہلو de-regulation کا ہے' اور یہ دونوں کے وسیع تر عمل ہیں۔ اس پر آپ وہ پابندیاں اور کنٹرول ہٹائیں تاکہ لوگ اپنا کام کر سکیں۔ ہم نے انڈسٹری کو de-regulate کیا' فارن ایکسچینج کو de-regulation کیا' امپورٹس کو regulate کیا ٹیرف کے اور فنانشل سیکٹر کے ریفارم بڑے large scale پر reform undertake کئے ہیں تاکہ جو investment climate ہے وہ اوپن ہو اور

باہر سے بھی لوگ سرمایہ لگا سکیں۔ اس کا اب تک بہت ہی مثبت نتیجہ نکلا ہے' اور جیسا کہ آپ نے دیکھا ہو گا ہماری سٹاک مارکیٹ میں جو total values ہیں' وہ کافی بڑی ہیں جو recent correction ہوئی ہیں وہ میں سمجھتا ہوں کہ justified ہیں کیونکہ کوئی بھی مارکیٹ over head نہیں ہونی چاہئے لیکن اگر آپ اس میں دس سال کا تجزیہ کریں تو جو مارکیٹ ویلیو سٹاک مارکیٹ کی 1980ء میں تھی اس کا 1990ء میں اس کا index 280 پر پہنچا یعنی سو روپے کی قیمت جو ہے وہ 280 ہو گئی ہے' یہ دس سال میں بڑھی ہے۔ اور اس ایک سال میں وہ اب 680 ہے یعنی 280 سے بڑھ کر 680 ہو گئی ہے یعنی ڈبل سے بھی زیادہ ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے جو ہماری capital values تھیں' جو shares کی values تھی مارکیٹ میں' جو بڑھ کر پچھلے سال 54-52 ارب روپے تھی وہ اب خدا کے فضل سے اس reduction کے باوجود 125 ارب روپے کی مجموعی ویلیو value ہے۔ یہ confidence ہے investors کا' لوگ اب مکان' پراپرٹی اور مکان بیچ کر شیئرز پر پیسے لگا رہے ہیں کیونکہ اس کا return جو ہے وہ ان کو بہتر لگتا ہے اس کا جو دوسرا پہلو ہے وہ investment کا ہے اس آٹھ ماہ میں ہماری جو مشینری کی امپورٹ ہے وہ خدا کے فضل سے پچھلے سال کے مقابلے میں کوئی 70 فیصد سے زائد ہے۔ پچھلے سال میں ان سات مہینوں میں 964 ملین ڈالر کی مشینری امپورٹ ہوئی ہے اب تک 1ء63 بلین ڈالر کی مشینری امپورٹ ہوئی ہے۔ یہ ہماری economy کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہماری جو امپورٹ میں اضافہ ہوا ہے' اس میں زیادہ تر اضافہ جو ہے وہ مشینری امپورٹ میں ہے اور اسی میں ہمارا تعلق بنکوں کا ہے' ان میں سے جو disbursement ہوئے ہیں' loans کے sanction یہ جنوری کی فگرز ابھی میرے پاس نہیں ہے لیکن پہلے پانچ مہینے کی جو فگرز ہیں اس میں sanction جو ہیں یہ 65 فیصد زیادہ ہیں اسی پریڈ میں اور disbursement جو ہیں وہ 83 فیصد زیادہ ہیں تو یہ جو ہماری investment climate ہے' اس کے لئے بہت ضروری ہے جو ہمارا اس وقت growth rate ہے' یہ بھی خدا کے فضل سے پچھلے سال کے مقابلے میں بہتر ہوا ہے جیسے کہ ممبران کو یاد ہو گا' اس سے پچھلے سال میں ہمارا growth rate

6ء4 percent تھا' پچھلے سال 6ء5 تھا اور اب اس سال انشاءاللہ 6 کے لگ بھگ ہو گا۔ 8ء5 اور 6 کے درمیان wheat crop پر depend کرتا ہے جو ابھی تک harvest نہیں ہوئی ہیں تو انشاءاللہ اس سال میں جب دنیا میں recession ہے' یہ بہت تسلی بخش ہے۔ اس کے علاوہ ہماری جو ایکسپورٹ ہیں وہ بھی اب تک 12-11 فیصد بڑھی ہیں فارن ایکسچینج جو reserves ہیں' ان پر کافی بات ہوئی ہے مگر میرے پاس پچھلے سال کا چارٹ موجود ہے کل پرسوں 14 مارچ کو ہمارے reserve 430 ملین ڈالر تھے پچھلے سال اسی وقت تین سو ملین ڈالر تھے۔ باوجود اس کے کہ ہم نے گلف کرائسز کو absorb کیا مجموعی طور پر ہمارے exchange reserves کی پوزیشن جو ہے وہ تسلی بخش ہے حالانکہ اس سال ہمارے ایکسپورٹ زیادہ ہونی چاہئے لیکن دنیا بھر میں کاٹن کی قیمت اور yarn کی قیمت گری ہے پچھلے سال کاٹن کی قیمت 72 سینٹ فی پونڈ تھی اس سال 48-47 ہے اور اس کے باوجود ایکسپورٹ میں ہماری 12 فیصد growth تھی۔ اس کے علاوہ یہاں انفلیشن اور prices پر بہت بات ہوئی ہے' اس کا ظاہر ہے کہ ہر حکومت کو احساس ہے اور ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب تک قیمتوں پر کنٹرول نہ ہو' عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

اس میں بھی خدا کے فضل سے جو پچھلے سال کا انفلیشن ساڑھے بارہ فیصدی ریٹ تھا وہ اب آٹھ نو کے درمیان ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ singal digit میں رہے اس میں' میں نے جو positive sectors balance sheet دی ہے اس میں جیسے میں نے کہا کہ انوسٹمنٹ اچھی ہے پروڈکشن کی رفتار اچھی ہے ایکسپورٹ اور foreign exchange reserved اچھے ہیں مجموعی طور پر انفلیشن کی شرح میں تھوڑی سی کمی ہے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ کسی بھی ترقی پزیر ملک میں مسائل نہیں ہوتے بلکہ ترقی یافتہ ملکوں میں بھی مسائل ہوتے ہیں اور میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہم نے تمام اقتصادی مسائل پہ قابو پالیا ہے۔ جو ہمارے short-term مسائل ہیں وہ واقعی serious ہیں کیونکہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا یہ 17 سال سے جو ہم خسارہ کرتے رہے یہ ہم نے کس طرح پورا کیا یہ ہم نے قرضے لے کر پورا کیا وہ ایسے کہ پہلے تو باہر سے remittances آ رہی تھیں پانچ چھ سال اس پہ گزارہ کیا اور 1982ء کے بعد ہم نے

domestic market میں قرضے لینے شروع کئے۔ 89-1987ء میں صرف ڈیڑھ سو کروڑ' ڈیڑھ ملین کے قرضے لئے جو ہم نے domestic market سے لئے۔ 1982ء میں ساڑھے بارہ ملین' 1986ء میں 25 بلین اور پچھلے سال خدا کے فضل سے 47 بلین' 47 ارب روپے کے جس کو ہم خاص ڈیبازت' بیرئر بانڈز اور سیونگ سرٹیفکیٹ کہتے ہیں۔ ہے تو سیونگ سکیم لیکن یہ قرضوں کی سکیم ہے اور اب مجموعی طور پر ان سالوں میں ہم کوئی 450 ارب روپے کے قرض لے چکے ہیں تو ان کا بوجھ ہی ہر سال ہم اب جو 45 لے تو رہے ہیں وہ ان کو واپس کر رہے ہیں۔ تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک سال میں آپ حل نہیں کر سکتے اور اسی کی وجہ سے ہمارے بجٹ پہ 45 ہم یہ دے رہے ہیں 35 باہر کے قرضوں پہ دے رہے ہیں تو قرضوں کا بوجھ ہی اسی ہو گیا ڈیفنس کا خرچہ سترہو گیا ہمارا ٹارگٹ ٹیکسیشن کا ڈیڑھ سو تھا اور کہاں سے پیسے بچیں۔ تو باقی بھی خرچے آپ نے قرضے سے پورے کرنے ہیں اس میں یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خزانہ خالی ہے یہ غلط سرخی لوگوں نے لگائی۔ خزانہ خالی کبھی نہیں ہوتا ہمارے اس سال اگر ڈیڑھ سو یا 144 کا تخمینہ ہے تو ہر روز خزانے میں چالیس کروڑ آتا ہے اور 42 کروڑ نکل جاتا ہے۔ لیکن جو بجٹ کا خسارہ اور بوجھ ہے وہ بجائے خود موجود ہے کیونکہ آپ کا جو پچھلا دس پندرہ بیس سال کا آپ پر قرضوں کا بوجھ ہے وہ آپ ایک سال میں نہیں چکا سکتے۔ پہلا ہمارا ٹارگٹ یہ ہے کہ موجودہ جو تخمینہ ہے خسارے اور خرچوں کا اس کو برابر کریں تاکہ قرضے کم لینا پڑیں تو پھر آہستہ آہستہ وہ بوجھ کم ہو جائے گا۔ تو اس لئے جو negative side ہے اس میں جو fiscal of budget کی پوزیشن ہے اس کا جو دباؤ اور خسارہ ہے وہ بجائے خود موجود ہے اس کے لئے ہم نے ایک سال ریکروٹمنٹ پر ban رکھا۔ اس کے لئے ہم نے غیر ترقیاتی اخراجات پہ ہم نے 15 فیصد کٹ لگایا۔ ترقیاتی بجٹ پر جہاں تک ہو سکا مارکیٹ سے فنانس کیا بجٹ پہ نہیں فنانس کیا تاکہ کسی حد تک' لیکن خسارے کی جو صورت ہے وہ ابھی تک ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ایکسپورٹ پہ اثر پڑا تو balance of payment پر بھی پریشر ہے۔ تو long term میں جو ہماری investment and planning strategy ہے وہ خدا کے فضل سے بہت اچھی چل رہی ہے short term میں جو ہمارے inhereted problems ہیں اس کو ہم نے stablize کیا ہے کنٹرول میں رکھا ہے اتنی

improvement نہیں آ سکی جتنی ہمیں توقع تھی اور انشاء اللہ اگلے بجٹ پہ میں ان پہ تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ اس کے علاوہ جیسے ایک اور مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی بے روزگاری کا مسئلہ ہے' امن وامان کا مسئلہ ہے' پاپولیشن کنٹرول کا مسئلہ ہے یہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت اہم issues ہیں اور ہماری investment climate کے لئے بھی' ہماری پالیسز کو انوسٹمنٹ میں ٹرانس لیٹ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مجموعی صورتحال جو ہے سیکورٹی اور لاء اینڈ آرڈر کی وہ بہتر ہو۔ اس کے لئے بھی حکومت نے بھرپور کوشش کی ہے اور جب دوسرا حصہ اس وا ئڈنگ اپ کا آئے گا تو مزید بات کی جائے گی۔ لیکن ہماری جو strategy ہے انوسٹمنٹ بڑھانے کی اور growth بڑھانے کی ایک دوسرا پہلو ہے وہ social objectives کا ہے جیسا میں نے پہلے کہا ہماری strategy کے دونوں مقاصد ایک ساتھ چلتے ہیں کہ اگر ہمارے resources جو پبلک سیکٹر spend کرتی ہے ان چیزوں پر وہ کم ہوں گے تو ہمارے پاس وسائل زیادہ ہوں گے کہ اگر ہم سوشل مقاصد کی طرف توجہ دیں گے۔ اگر تعلیم بڑھے گی آبادی کنٹرول کرنے کا سب سے اہم طریقہ یہ ہے کہ تعلیم بڑھے' خاص طور پر خواتین کی تعلیم بڑھے اور ہمارا سوشل ایکشن پلان جو ہم بنا رہے ہیں اس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے چند ہفتوں میں بجٹ کے ساتھ سامنے آئے گی وہ بہت جامع ہے اور اس میں یہ تمام پہلو پاپولیشن ایجوکیشن' ہیلتھ' ڈرنکنگ واٹر' رورل ڈویلپمنٹ وہ جامع طریقہ سے موجود ہے۔ اور یہ strategy ہے ایک طرف پرائیویٹ سیکٹر کے ذریعے investment بڑھائی جائے گورنمنٹ کے ذریعے سوشل objectives کو بڑھایا جائے اور infrastructure کو improve کیا جائے۔ یہ میں سمجھتا ہوں بہت اہم ہے اور یہ اگر ہم آج سے دس سال شروع کرتے تو ہم آج ملائشیا تھائی لینڈ سنگاپور جیسے ملکوں سے نزدیک جا رہے ہوتے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے یہ سال گنوا دیئے ہم صرف patch work کر کے marginal adjustment سے manage کرتے رہے اب پہلی دفعہ lamental change ہے development, strategy and policy اس کو ہم پوری نیک نیتی سے اور objective criteria سے implement کر رہے ہیں ہمیں ممبران اور

پوری قوم کی معاونت کی ضرورت ہے کیونکہ جو ہم کر رہے ہیں یہ short term سیاسی فائدے کے لئے نہیں کر رہے یہ ہم اگلی نسلوں کے لئے کر رہے ہیں۔ کیونکہ جب تک ہماری یہ ترقی کی رفتار تیز نہیں ہو گی اور population growth rate 3% بڑھے گی تو 2فیصد growth rate سے per capita سے آپ کو 36 سال لگیں گے اپنی per capita income double کرنے کیلئے، لیکن ترقی کی رفتار تیز ہو کر سات فیصدی ہوئی تو انشاءاللہ 16'15 سال میں آپ وہی مقاصد اور جو موجودہ ترقی کی رفتار ہے اسی سے نہ آپ اپنے سماجی مقاصد پورے کر سکتے ہیں اور نہ اس ساری ریجن میں جیسے کہا گیا آپ کے ٹریڈ کے موقع پھیل سکتے ہیں تو ہم انشاء اللہ اس پالیسی سے نہ صرف ترقی کی رفتار تیز کریں گے بلکہ خود انحصاری کی طرف آگے بڑھیں گے۔ (Aid) ایڈ کے بجائے انوسٹمنٹ کو ترجیح دیں گے۔ Aid کے بجائے ٹریڈ کو ترجیح دیں گے۔ تاکہ ہماری پالیسی میں تبدیلیاں آئیں جس کو اگر ہم انشاءاللہ قوم کے تعاون سے پوری طرح implement کر سکے تو یہ صدی کی آخری دہائی ہے۔ وہ پچھلی دو دہائیوں سے مختلف ہو گی جس میں ترقی کی رفتار تیز ہو گی economic اور سوشل مقاصد میں زیادہ balance ہو گا اور ذہنی طور پر ملک اپنے وسائل کا زیادہ تحفظ کر سکے گا اور انشاءاللہ عوام کی بنیادی ضروریات ہیں چاہئے تعلیم کی یا صحت کی ہے چاہے روزگار کی ہے وہ بھی بہتر طور پر پوری ہو سکیں گی۔ یہ میری گزارشات تھیں اس کے ساتھ میں ممبران کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اتنی مثبت باتیں اس موضوع پر کی ہیں شکریہ۔

جناب چیئرمین: نماز ظہر کے لئے پونے دو بجے تک کے لئے اجلاس ملتوی کیا جاتا ہے

(The House adjournment for prayers)

[The House re-assembled after interval with Madam Deputy Chairman (Dr. Noor Jehan Panezai)].

جناب چیئرمین : نماز ظہر کے لئے پونے دو بجے تک اجلاس کو ملتوی کیا جاتا ہے

میڈم ڈپٹی چیئرمین : جناب محمود احمد منٹو صاحب۔

جناب محمود احمد منٹو : مجھے پہلے تو معذرت کرنی ہے کہ میں آج بہت زیادہ بیمار ہوں اور دل پر تکلیف ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : اللہ صحت دے آپ بالکل بیٹھ کر آہستہ بول لیں۔

جناب محمود احمد منٹو : محترمہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جس کا نام سپیکر کی لسٹ پر اول تھا اور اسی دن سے لے کر آج جس دن prorogue ہونے لگا ہے کچھ وقت نکال کر مجھے وقت دیا گیا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : منٹو صاحب میں دو تین دن سے آپ کا نام پکار رہی ہوں لیکن آپ موجود نہیں ہوتے تھے drop نہیں کیا آپ کا نام رکھا ہوا ہے۔

جناب محمود احمد منٹو : آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ جو کچھ کہتی ہیں میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ مگر میں اپنی طرف سے یہ کہوں گا کہ ان دنوں میں میں نے ایک غیر حاضری بھی اس میٹنگ سے نہیں کی۔ میں پورے دن آتا رہا ہوں۔ ایک دن بھی ایسا نہیں ہے کہ میں نہ آیا ہوں۔ بلکہ ایک دن میں نے پوچھا تو سیکریٹری صاحب نے کہا کہ آپ کا ایک دفعہ نام آیا تھا وہ پھر چلا گیا۔ یہ بھی پانچ چھ دن کی بات ہے۔ اور اس چھ دن کے بعد آج آیا ہے۔ بہر حال میری تقریر کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ میں اس پر اصرار کروں۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ میں اپنے بہت سے دوستوں کو سن چکا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہاں ہماری تقریر میں مختلف قسم کی باتیں آتی ہیں لیکن ایک بات جس کا ہم سب سخت انتظار کرتے ہیں اور جس کی امید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقریر کرنے والے زبان کا خیال کریں۔ حفظ مراتب کا خیال کریں۔ محض ایک پارٹی سے تعلق ہونے کی وجہ سے یا کسی زمانے میں اس سے تعلق رہا ہو اس کی وجہ سے آدمی کو حفظ مراتب کا خیال فراموش

نہیں کرنا چاہئے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ لیڈر آف دی اپوزیشن کے طور پر یحییٰ بختیار صاحب نے تقریر شروع کی تھی۔ میں چار پانچ منٹ اور لوں گا کیونکہ مجھے تمام باتیں تفصیل سے نہیں کہنی ہیں۔ انہوں نے بھی جب ساری تقریر پڑھی تو ایک ایک چیز پڑھتے پڑھتے وہ کہتے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں یہ تو بہت عمدہ ہے۔ یہ تو بہت ٹھیک ہے لیکن پھر یہ نہیں ہوا' پھر یہ نہیں ہوا یہ نہیں ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ یہ بات پہلے کریں کہ ان کے متعلق آپ کو کیا اعتراض ہے۔ پریذیڈنٹ کا اس میں کیا قصور ہے۔ جس کے متعلق آپ اپنا زہر اگل رہے ہیں۔ اور نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ صدر صاحب چھوڑ دیں۔ پرائم منسٹر چھوڑ کر چلا جائے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آپ جو مرضی نکالتے رہیں مگر جس وقت آپ کو کوئی تقریر ہو اور جس وقت کوئی نام لے آپ کی پارٹی کا اسے compare کرنے کے لئے تو آپ کہتے ہیں کہ اگر اس نے غلطی کی ہے تو کیا ضروری ہے کہ آپ بھی غلطی کریں۔ جب آپ مقابلہ کرتے ہیں تو تنقید کے طور پر اور آپ اپنا مقابلہ کس کے ساتھ کرتے ہیں۔ کسی کے ساتھ مقابلہ کریں یہ کہیں کہ آیا یہ جو سپیکر صاحب ہیں یہ بڑے اچھے آدمی ہیں یہ خراب آدمی ہیں۔ یہ برے آدمی ہیں۔ یا ان کو بطور پارٹی ممبران کے ان کی پارٹی نے جو باتیں کی ہیں ان کو یاد دلائیں کہ جن باتوں پر آج آپ بڑی شدت سے بڑی خطرناک زبان میں بڑی غیر شریفانہ زبان میں آپ جب تنقید کر رہے ہیں اور ان لیڈروں پر تنقید کر رہے ہیں تو ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بھی دیکھئے لمبی بات نہیں ہے۔ اسی تقریر کے دوران ان کی لیڈر ہے جس شرمناک طریقے پر behave کیا ہے اور آئین کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ یہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ آئین کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ آج تو آئین انہوں نے توڑا ہے۔ ذرا لیڈر کی تقریر تو اس دن سنتے۔ اور یہ اقبال حیدر صاحب سب سے زیادہ ان کے ساتھ شامل تھے یہ کھڑے تھے۔ یہ انگلیاں یوں ہلا کر کہہ رہے تھے صدر صاحب کو کہ تم چھوڑو۔ اب میرا وطیرہ تو یہ ہو اور اس کے بعد میں کھڑا ہو کر کہوں کہ نہیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ یہ فلاں اصول ٹوٹ گیا ہے۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو۔ یہ کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی صاحب مخالف رائے رکھتے ہیں تو رکھیں۔ رولز' قانون موجود ہے آئین ہے۔ مگر ایک آدمی ذرا سی بات اپنی مرضی کے خلاف سنے' وہ کھڑا ہو جائے۔ کوئی تقریر کر رہا ہو کچھ کر رہا ہو' اس پر اعتراض کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ آئین میں لکھا ہے کہ

جب کوئی صدر تقریر کرے گا' صدر رولنگ دے گا تو اسے ماننا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ مگر نہیں۔ ایک دم چلانا شروع کر دیا یہ ہے فلاں ہے۔ بھئی اگر اپنے عہد کی باتیں سنانا چاہتے ہو جو لوگ حکومت کے خلاف ہیں۔ تو وہ بھی سننے کے لئے اپنے اندر طاقت پیدا کرو۔ جرات پیدا کرو۔ ہمت پیدا کرو کہ اپنے خلاف بھی باتیں سن سکو۔ میں مختلف قسم کی باتیں اور خاص طور پر آج سرتاج عزیز نے تقریر کی ہے۔ اس میں کافی چیزوں کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔ باتیں تو ہزار کرنے کی ہیں۔ اور یہ کون کہتا ہے۔ کیونکہ حکومت کی ایک پارٹی سے کسی کا تعلق ہے تو اس لئے وہ ہر بات میں سو فیصدی ان کے ساتھ متفق ہے۔ نہیں۔ اور نہ ہم ایسے ہیں کہ ہم محض ان کی خوشامد کے لئے' یا ان کو خوش کرنے کے لئے نکلیں گے کہ جو کچھ کہیں' واہ واہ واہ۔ اور اگر ان کے خلاف کوئی اعتراض ہو یا ان پر تنقید کرنی ہو تو سب سے پہلے خود کریں گے اور کرتے رہے ہیں۔ مگر یہ ضرور خیال رکھیں گے مگر یہ ضرور خیال رکھیں گے کہ اگر شرافت کا پہلو ساتھ رہے اس کا دامن نہ چھوڑا جائے اور زبان شائستہ اور ٹھیک ہو۔ اور وہی کریں باتیں جو ہم پسند کرتے ہیں اور جن کو ہم' خواہ ہماری پارٹی نے کی ہوں یا کرتی ہو یا دوسری پارٹی کرتی ہو ناپسند کر دیں گے۔ کوئی حرج نہیں۔ جائز حق ہے۔ یہ تو کرنا ہی چاہئے۔ مگر چونکہ مجھے دکھ پہنچا ہے یہ تقریریں سن کر۔ اور خاص طور پر طرز بیان' اور زبان جس قسم کی استعمال کی گئی ہے اور پھر چاروں طرف دیکھتے ہیں اور ہنستے ہیں کہ میں نے کمال کر دیا کہ نہیں۔ بھئی اگر گالیوں کا مقابلہ ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شاید ہماری ویکیبلری آپ سے کم نہیں ہے۔ شاید زیادہ بھی ہو۔ مگر ہم ایک بات خاص طور پر سمجھتے ہیں کہ ویکیبلری تو ہوتی ہے۔ گالیاں تو شاید مجھے آپ سے بھی زیادہ یاد ہوں گی مگر شریف آدمی وہ ہے جو گالیاں جانتے ہوئے استعمال نہ کرے۔ تو اپنا آپ ہی اندازہ لگالیں کہ کتنی گالیاں نکال سکتے ہیں۔ بڑے فصیح ہوں گے اس معاملہ میں۔ مگر کہاں کھڑے ہیں اور کن حالات میں اس طرح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ باقی دوستوں نے اعتراض بھی کئے ہیں کہ فلاں چیز نہیں ہوئی۔ بڑی اچھی بات ہے۔ اگر نہیں ہوئی ہے تو کان کھینچنے چاہئے حکومت کے۔ ان کو یاد دلانا چاہئے۔ ان کی توجہ ادھر دلانی چاہئے۔ مگر یہ طرز عمل اچھا نہیں تھا۔ میں اپنے ان دوستوں سے بھی کہوں گا جو پرانے کانگریسی میرے دوست ہیں۔ مجاہد کا نام لو تو کہیں گے کہ مجاہد نہ کہو بھگوڑا کہو۔

(مداخلت)

جناب محمود احمد منٹو : پھر آپ بول پڑے ہیں۔ آپ کو حق نہیں ہے بولنے کا۔ میرے نیاز مند ہوں میرے دعا گو بھی ہوں پھر بھی آپ کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ آئین میں یہ طریقہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کو فلور ملا ہے۔ اس کی بات سنی جائے۔ محض اس لئے کہ ایک آدمی کا نام آ گیا نجیب تو اوہ کہہ کر کھڑے ہو جاؤ۔ آپ کی باری آئے گی آپ کا موقع آئے گا آپ اسے آسمان تک لے جائیں۔ اسے کہو کہ نہیں تعوذ باللہ من الذالک رسول اللہ کے بعد وہی شخص ہے۔ کہتے رہیں۔ ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے تو نہیں مگر لوگوں کو انٹرپٹ کرنا اور ایک دم آپے سے باہر ہو جانا اور بات کرنی شروع کر دینا یہ نامناسب بھی ہے اور اس سے ظاہر بھی ہوتا ہے کہ آپ کتنے تھوڑ دلے ہیں۔ میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا یہ بات کہنے سے کہ میں جس دن سے یہاں ہوں میں نے یہ سمجھا ہے اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خاص فضل کیا ہوا ہے کہ جو دو آدمی ہمیں اس وقت اپنی قیادت کے لئے دیئے ہوئے ہیں ایک صدر صاحب اور ایک نواز شریف۔ یہ میری رائے ہے۔ آپ نہ مانیں۔ آپ اپنی رائے پر قائم رہیں میں اپنی رائے پر قائم رہوں گا۔ اگر کہیں مل بیٹھیں اور مناظرہ ہو جائے، کوئی گفتگو ہے تو گفتگو کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ مگر اس بات کے باوجود کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ پاکستان کے لئے ایک بہترین آدمی ہے اور اللہ میاں نے خاص طور پر ان کو مقرر کیا ہے اس وقت کے لئے لیکن اگر کوئی ان کے خلاف کوئی بات کہہ دے تو طبیعت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے غصہ پیدا ہوتا ہے مگر اس سے آگے نہیں جاؤں گا انہیں کہوں گا کہ بھئی زبان کو ذرا احتیاط سے استعمال کرو۔ یہ نہیں کہوں گا۔ ہاں آپ نے کہا ہے۔ جس وقت نام لیا گیا بے نظیر صاحبہ کا، میں چیلنج کرتا ہوں، ایک آدمی بھی دیانت داری ایمانداری سے کہے کہ وہ واقعہ انہوں نے دیکھا جس دن صدر صاحب کی تقریر کے دوران بے نظیر بھٹو نے نازیبان اور ناشائستہ حرکت کی۔ اس کے بعد اس کو کوئی پسند کرتا ہے ہاں یہ کہہ کر یہ ہماری لیڈر ہے آف دی اپوزیشن، یا پیپلز پارٹی کی شریک چیئرمین ہے اس واسطے جو وہ کرے وہ تو سب ٹھیک ہے اور اگر کوئی دوسرا آدمی نماز پڑھ کر درود شریف پڑھے وہ بھی غلط ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ساری باتیں جو قابل اعتراض ہیں یا جو ادھوری ہیں اور نہیں ہو رہی ہیں ان کے متعلق میرے دوستوں نے یہاں نہایت واضع طور پر کھلے طور پر اچھی طرح سے اعتراضات کئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اثر حکومت

کو ضرور لینا چاہئے آج ہمارے سرتاج عزیز صاحب آئے ہیں انہوں نے بھی ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس پر غور کیا جائے گا اور یہ باتیں جو 5 برس کی 8 برس کی 10 برس کی خراب کی ہوئی ایک دن میں ٹھیک نہیں ہو سکتیں یا آپ یہ کہیں کہ نہیں یہ آپ اپنی پارٹی کے کسی بیوقوف کو یہ فائدہ پہنچا رہے ہیں اور یہ ملک و قوم کو یہ فائدہ نہیں پہنچا رہے تو قابل اعتراض بات ہے ہم بھی آپ کے ساتھ شامل ہوں گے ہم بھی اس کو جھاڑیں گے کیوں کہ ہم تو اس سے کسی بات کے خواہش مند نہیں ہیں اور جو یہ کرتا ہے اس کی مذمت کرتے ہیں اگر سینٹ میں بیٹھ کر غیر پارلیمانی زبان استعمال ہوتی رہی اور یہی حال رہا یہ طریقے برتے گئے ایوانوں کا سٹینڈرڈ گر جائے گا تو کیا نتیجہ نکلے گا میں افسوس کرتا ہوں کہ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا ہوں لہٰذا میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : شکریہ۔ چوہدری امیر حسین صاحب

چوہدری امیر حسن : شکریہ محترمہ چیئرمین صاحبہ کہ آپ نے مجھے صدر صاحب کے خطاب پر بولنے کا موقع فراہم کیا اور مجھے بڑی خوشی ہوتی کہ وہ ہمارے بھائی اور دوست جن کو ایک ماہ سے زائد عرصہ سے ہم اس ایوان میں سنتے آ رہے تھے وہ آج یہاں موجود ہوتے اور اگر سنجیدگی سے انہوں نے کوئی نکتہ اعتراض یا تنقید کی ہوتی تو اس کا جواب بھی اگر سن لیتے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی بہر حال میں اس بات پر خوش ہوں کہ اپوزیشن بنچ پر کم از کم ایک معزز رکن جناب عبدالرحیم مندوخیل موجود ہیں اور میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ کم از کم انہوں نے تو تکلیف گوارا کی اور میں سمجھتا ہوں یہ واقعی سنجیدہ تھے جب انہوں نے تقریر کی اور وہ یہ خواہش بھی کریں گے کہ انہوں نے جو جو نکات اٹھائے ہیں ان کا جواب دوں محترمہ جیسا کہ ابھی مجھ سے پہلے منٹو صاحب فرما رہے تھے اور اس ایوان کی غالب اکثریت نے بلکہ پوری قوم نے اس ایکشن کو اور اس احتجاج کو جو کہ صدر صاحب کے خطاب کے دوران پارلیمنٹ کے اندر دونوں ایوان کے مشترکہ اجلاس میں کیا گیا اس کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت بھی کی اور میں سمجھتا ہوں کہ بجا طور پر مذمت کی گئی کیوں کہ یہ پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ آئین کو جانتے ہوئے رولز کو جانتے ہوئے اور اس میں بہت سے وکلاء بھی موجود تھے جو

کہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آئین اور رولز کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور خاص طور پر لیڈر آف اپوزیشن جو کہ نیشنل اسمبلی میں ہیں انہوں نے سب سے بڑھ کر اس پر جو شور شرابا کیا یہ بات کسی بھی طرف سے پسند کی گئی اور وہ لوگ جو کہ کسی مصلحت کی بنا پر اس کی مذمت نہ کر سکے لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کے اندر کا جو انسان ہے ان کی اپنی ضمیر کم از کم یہ ان کو ضرور ملامت کرتی ہو گی اور جنہوں نے اس دن یہ حرکت کی وہ بھی خود محسوس کرتے ہوں گے کہ انہوں نے غلط کیا ہے جناب والا میں یہ گذارش کرتا ہوں یہ کسی ایک شخص کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ آئین کی آرٹیکل 50 جس میں جب پارلیمنٹ کی definition کی گئی تو اس میں جو لکھا گیا اس میں صدر صاحب بھی موجود ہیں میں آرٹیکل 50 کا حوالہ دوں گا : It reads

"There shall be a Majlis-e-Shoora (Parliament of Pakistan) consisting of the President and two Houses to be known respectively as National Assembly and Senate"

چنانچہ ایک پارلیمنٹ کا ممبر ہوتے ہوئے اگر جو پارلیمنٹ کا ممبر ہے وہ خود پارلیمنٹ کی تضحیک کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ افسوناک بات اور کوئی ہو نہیں سکتی اور وہ بھی بلاوجہ اور میں کہتا ہوں اگر کوئی وجہ بھی ہو تو یہ طریقہ کار ہے کہ جب صدر کے خطاب پر بحث کا موقع آتا ہے تو ہر فاضل ممبر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس پر جس طرح کی چاہیں گفتگو کریں لیکن اس میں ایک احتیاط لازمی ہوتی ہے کہ کم از کم زبان کو شائستہ اور تہذیب کے اندر رہ کر استعمال کیا جائے چنانچہ اس ایکشن کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ممبران پارلیمنٹ کی طرف جنہوں نے اس دن یہ حرکت کی خود پارلیمنٹ کے تقدس میں اس کی عزت میں کمی کرنا اس سے زیادہ کوئی افسوسناک بات ہو نہیں سکتی اور محترمہ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ یہ کوئی morality کی بھی بات نہیں یہ قانونی اور آئینی طور پر میں ابھی گزارش کروں گا کہ یہ ایک ہے جو کہ 19 دسمبر کو اپوزیشن کی طرف مشترکہ اجلاس میں دونوں ایوانوں کے کیا گیا اور بڑا واضح طور پر اس میں لکھا گیا ہے میں "Kaul" سے اس کو کوٹ کروں گا صفحہ 166 پر

"The President's Address to both Houses of Parliament assembled together is the most solemn and formal act, under the Constitution, utmost dignity and decorum befitting the occasion is maintained. Any action on the part of a Member which mars the occasion of the President's Address or

creates disturbance is punishable by the House to which he belongs."

چنانچہ

It is an offence which is punishable and the House to which that honourable Member belongs the House is competent to punish..

لیکن ہم اس بات کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ ہم ایک موشن لاتے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سینٹ میں بھی اور قومی اسمبلی میں بھی ہمیں دو تہائی سے زیادہ اکثریت حاصل ہے اگر ہم ان کی طرح ہوتے تو ہم اس ذوق کا مظاہرہ کرتے جو انہوں نے کیا ہے تو یہ موشن لائی بھی جا سکتی تھی اور ایوان سے adopt بھی کرائی جا سکتی تھی لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت میں اپوزیشن کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے لیکن اپوزیشن کو بھی اس طریقے سے behave کرنا چاہئے جس طرح ایک جمہوری ملک میں حذب اختلاف behave کرتا ہے محترمہ سیاسی اختلافات اپنی جگہ ہوتے ہیں میرا ایک point of view ہو سکتا ہے میرے کسی بھائی کا دوسرا point of view ہو سکتا ہے لیکن اس کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے اس طریقے سے ہٹ کر جب یہ کام کیا جائے تو اس کو ناپسند بھی کیا جاتا ہے اور ان اداروں کو، جمہوریت کی بنا پر ادارے قائم ہوتے ہیں اور ہم خود اس ادارے کا ممبر ہونا ایک honour اور فخر سمجھتے ہیں ان کی تذلیل کرنا ان کے وقار میں کمی کرنا اور خدانخواستہ ان کو نقصان پہنچانے کی جو کوشش ہے یہ کسی طور پر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی طرف سے اپوزیشن کی طرف سے یہ ٹھیک نہیں تھا اور جس طرح اس ایوان میں اور قومی اسمبلی میں واضح اکثریت نے غالب اکثریت نے اس بات کی مذمت کی اور اس کا وہ کوئی جواز پیش نہ کر سکے اور مجھے بڑی خوشی ہوتی اگر سینٹ میں لیڈر آف اپوزیشن جناب یحییٰ بختیار صاحب جو کہ ہمارے ملک کے صف اول کے وکلاء میں سے ہیں یہاں موجود ہوتے تو وہ نکتہ جو انہوں نے اٹھایا اپنی تقریر کے دوران انہوں نے ایک لاحاصل کوشش کی اور اس ایکشن کو جو کہ ناپسندیدہ اور بلاجواز ایکشن تھا اس کو justify کرنے کے لئے انہوں نے کوشش کی کہ کوئی قانونی یا آئینی نکتہ نکال کر ایک جواز بنایا جا سکے۔ یہ کہا جا سکے کہ ہم ایک پوائنٹ آف آرڈر raise کرنا چاہتے تھے لیکن ایک جواز بنایا جا سکے۔ یہ کہا جا سکے کہ ہم ایک پوائنٹ آف آرڈر ریز کرنا چاہتے تھے لیکن ہمیں اجازت نہیں دی گئی اور احتجاج کے طور پر ہم نے اس سارا شور شرابہ کیا ہے محترمہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے بغرض بحث فرض کر لیا جائے کہ اگر کسی

پوائنٹ آف آرڈر پر کوئی آنریبل ممبر چیئرمین یا سپیکر صاحب سے یا پریذائیڈنگ آفیسر سے اجازت چاہتا ہے اس کو refuse کر دیا جاتا ہے تو یہ کوئی طریقہ نہیں تھا جو انہوں نے اپنایا ہے لیکن اب میں آئینی اور قانونی لحاظ سے رولز کے اندر رہتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا باقی انہوں نے جو دلائل دیئے اس کا جواب دے دیا گیا لیکن یہ چونکہ خالصتاً قانونی نکتہ ہے ان کا یہ خیال ہے اور انہوں نے جو argue کیا کہ دونوں Houses کا جب اکٹھا اجلاس ہو تو صدر پاکستان کو preside کرنا ہوتا ہے اور ان کے خیال کے مطابق اگر صدر preside نہیں کرتا تو پھر شور وغل کیا جاتا ہے یہ غلط بات ہے۔ میں اس نکتے کی وضاحت کروں گا اور ثابت کروں گا کہ جب دونوں ہاؤس اکٹھے ہوں تو صدر صاحب نے preside نہیں کرنا ہوتا نہ Joint Sitting Rules میں لکھا ہے اور نہ کسی آئین میں لکھا ہے اور نہ کسی قانون میں لکھا ہے اور اگر انہوں نے یہ بات کی ہے۔ اگر انہوں نے یہ بات کی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو میں نہیں سکتا اور نہ ہی مجھے کہنا چاہئے ان کو شاید اس بات کا علم نہیں محترمہ انہوں نے یہ جو پارلیمنٹ کے Joint Sitting کے رولز ہیں انہوں نے 5(a) کا حوالہ دیا ہے۔ جو ان کے خیال کے مطابق اگر پارلیمنٹ کا اجلاس ہو۔ مشترکہ اجلاس ہو تو پھر پریذیڈنٹ صاحب نے preside کرنا ہوتا ہے انہوں نے پڑھا ہی نہیں جس طرح تقریر انہوں نے سنی نہیں اور میرے خیال میں صدر صاحب کے خطاب کو انہوں نے پڑھا بھی نہیں۔ جس طرح انہوں نے رولز کا حوالہ دیا رولز انہوں نے پڑھے نہیں اور بغیر پڑھے انہوں نے کہہ دیا میں رولز پڑھتا ہوں

5(a) :—"both Houses assembled for the Address of the President...."

specifically اس میں ہے۔

"when both Houses assembled together for the purpose of the Address of the President under clause 3 Article 56, the proceedings shall be conducted and controlled by the President in such manner as may deem fit and without prejudice to the generality of the foregoing provisions, the President shall for that purpose have all powers vested in the Speaker under these rules."

محترمہ اس میں جو important بات ہے اس میں ہے

"the President shall have control during the Address."

جب صدر کے خطاب کے لئے دونوں ایوان اکٹھے ہوں ان کا مشترکہ اجلاس ہو تو اس میں طریقہ کار وضع کیا گیا۔

"The proceedings shall be conducted and controlled by the President."

محترمہ میں جو گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے جب کہا جائے گا کنٹرول جب ہو گیا تو اس کا مطلب ہے صدارت بھی ہو گئی یہ غلط بات ہے میں اس کی طرف بعد میں آؤں گا کنٹرول ہونا علیحدہ بات ہے کرسی صدارت پر بیٹھے ہونا علیحدہ بات ہے چنانچہ رولز میں تو یہ لکھا گیا کہ صدر پاکستان کا کنٹرول ہو گا اگر دونوں ایوانوں اکٹھے ہوتے ہیں for the purposes of the Address of the President. لیکن یہ اس میں specifically نہیں لکھا گیا اس کی ایک background ہے۔ جب کوئی قانون بنایا جاتا ہے جب کوئی رول بنایا جاتا ہے جب کوئی provision of law ہوتی ہے there is spirit behind it. اس کے پیچھے بھی ایک چیز ہوتی ہے اس کے پیچھے ایک حکمت ہوتی ہے یعنی کنٹرول پریذیڈنٹ صاحب کا ہے لیکن صدر صاحب کا کرسی صدارت پر بیٹھنا ہونا ضروری نہیں میں "Kaul" سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا اور اس میں specifically لکھا ہوا ہے۔ ابھی میں صفحہ دیکھ کر پڑھتا ہوں اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ کرسی صدارت پر بیٹھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ صفحہ 149 ہے میں اوپر سے متعلقہ حصہ پڑھوں گا کیونکہ ممبران کافی تھک گئے ہوں گے۔

"For the purpose he may conduct the proceedings in an appropriate manner consistent with his position and dignity as well as the dignity and status of the Houses. Although the President is incharge of the proceedings....."

یہ important ہے

".....although the President is incharge of the proceedings neither he nor Chairman, nor the Speaker or any other person can be said to preside at the meeting of the Members of the two Houses assembled together for his Address under said Article."

چنانچہ ان کا یہ مطالبہ ہی غلط ہے رولز کے خلاف جب صدر preside کر ہی نہیں

سکتے۔ سینٹ کے چیئرمین preside کر ہی نہیں سکتے۔ سپیکر نیشنل اسمبلی پریذ یڈ کر ہی نہیں سکتے جب صدر صاحب کا خطاب ہو ان کا یہ مطالبہ اور ان کا یہ point of view مان لیا جائے تو کیا یہ وہاں رولز کے خلاف بات کرانا چاہتے تھے کیا یہ قانون کے خلاف وہاں بات کرانا چاہتے تھے کیا یہ آئین کے خلاف وہاں بات کرانا چاہتے تھے اس لئے اس بات کا کوئی جواز نہیں تھا چونکہ صدر صاحب preside نہیں کر رہے تھے صدر صاحب قانونی طور پر preside نہیں کر سکتے اس لئے مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یحییٰ بختیار جیسے نامور وکیل کی طرف سے جو point raise کیا گیا انہوں نے پہلا ہی جو point raise کیا تھا وہ یہ تھا۔

> "He said the Leader of the Opposition was right when he raised a point of order during the address because under Rule 5(a) (1) it is always the President who preside over the Joint Sittings instead of the Speaker who frequently interpreted in House."

میں یہ گزارش کر رہا ہوں کہ انہوں نے 5(a) کا حوالہ دیا لیکن بڑے ادب سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ 5(a) رول انہوں نے پڑھا ہی نہیں اگر 5(a) رول پڑھا ہوتا تو پھر کم از کم وہ یہ بات نہ کرتے اس لئے میں یہاں یہ بات بڑے واضح طور پر کرنا چاہتا تھا اور اس کی clarification بھی کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ قانونی نکتہ تھا ریکارڈ پر بھی لانا چاہتا تھا کہ ان کا یہ point of view سراسر غلط ہے۔ دوسرا پوائنٹ جو کچھ ممبران کی طرف سے اٹھایا گیا کہ آئین کے تحت جو تقریر تیار کرنی ہوتی ہے صدر صاحب کی وہ گورنمنٹ تیار کرتی ہے اور بقول ان کے وہ تقریر گورنمنٹ نے تیار نہیں کی مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی ان کے پاس کیا اطلاع تھی ان کا کیا source تھا کہ انہوں نے فرض کر لیا کہ یہ تقریر تیار نہیں کی گئی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے تقریر سنے بغیر تقریر پڑھے بغیر رولز پڑھے بغیر یہ point raise کئے اسی طرح یہ پوائنٹ بھی raise کر دیا ہے اس میں کوئی جان نہیں آپ سے بہتر کون جانتا ہے جب نیا سال شروع ہوتا ہے اس وقت آئین کے تحت ایک mandatory provision ہے کہ صدر صاحب نے Joint Sitting کو Address کرنا ہوتا ہے اس میں کیا ہوتا ہے کہ

گورنمنٹ کی پچھلے سال کی جو کارکردگی ہے اس پر بات کی جاتی ہے اور آئندہ کے لئے جو guideline ہوتی ہے۔ وہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ reflection ہوتا ہے perfor-mance of the government کا' اور اس کی حد تک میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر خطاب' اس سے بہتر تقریر ہو نہیں سکتی جو کہ صدر صاحب نے 19 دسمبر کو کی اور انہوں نے ..... سچی بات کر رہا ہوں کہ شاید ہی انہوں نے کوئی ایسا فیلڈ چھوڑا ہو جس پر بات نہ کی ہو اور اپوزیشن کا یہ کہنا کہ صدر صاحب نے جو تقریر کی ہے' اس میں یہ بات ہے' فلاں بات ہے اور انہوں نے جو الفاظ استعمال کئے۔ محترمہ آپ کو پتہ ہے رولز 200 کے تحت' جو رولز آف بزنس ہیں جس کے تحت ہم یہ دونوں ایوان چلاتے ہیں' سینٹ کے علیحدہ رولز ہیں' قومی اسمبلی کے علیحدہ ہیں اس میں کسی کے پرسنل کریکٹر کے متعلق' کسی کے رشتہ دار کے متعلق کوئی بات کی نہیں جا سکتی۔ سینٹ کے رولز 200 میں بڑا واضح طور پر لکھا ہوا ہے' کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور جو آئین کے آرٹیکلز ہیں اس میں بھی لکھا ہوا ہے لیکن جو الفاظ اور جو زبان فلور پر استعمال کی گئی وہ نہایت ہی افسوس ناک ہے۔ ہم اپوزیشن کی تنقید کو welcome کرتے ہیں لیکن ویلکم اس وقت کرتے جب تنقید positive ہو اور جب کوئی بات سمجھ ہی نہ آئے یہاں تک کہ میں یہ انتظار ہی کرتا رہا کہ صدر صاحب کے خطاب پر بھی کوئی بات کی جائے' لیکن باتیں تو تمام دنیا کی مگر صدر صاحب کے خطاب پر بہت کم باتیں کی گئیں۔ کچھ ممبران نے بڑی اچھی proposal دیں' ہم ان کے شکر گزار ہیں' ان کے proposal کو مدنظر رکھا جائے گا اور ان کو گائیڈ لائن سمجھتے ہوئے' ان پر عمل بھی کیا جائے گا۔ لیکن کچھ فاضل ممبران نے اس قسم کی تقاریر کیں جن سے یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا وہ صدر صاحب کے خطاب پر بات کر رہے ہیں یا اور ایسے جیسے کہ کسی پبلک میٹنگ میں بات کر رہے ہیں only to win the sympathies of the public وہ کر رہے ہیں۔ یہ کوئی الیکشن مہم نہیں تھی جس پر وہ تقاریر کر رہے تھے۔ چنانچہ میں صدر صاحب کی تقریر سے چند ایک حوالے دوں گا کیونکہ میں نے کہا ہے کہ وہ بڑی balance تقریر تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ انہوں نے اچھی تقریر کی ہے۔

انہوں نے سب سے پہلے جس کا میں نے ذکر کیا' اپوزیشن کے متعلق کہا کہ وہ جمہوریت کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ جمہوریت کے دو پہیے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے گورنمنٹ کو بھی تنبیہ کی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں ہے کہ گورنمنٹ کی بلا وجہ تعریف کی ہے' جو تعریف کرنے والی بات تھی اس جگہ انہوں نے گورنمنٹ کی تعریف بھی کی ہے لیکن جس جگہ گورنمنٹ کو سمجھانے کی ضرورت تھی' اس جگہ صدر صاحب نے سمجھایا بھی ہے۔ اور ایک گائیڈ لائن دی ہے کہ گورنمنٹ کو آئندہ ان لائنوں پر چلنا چاہئے۔ میں آپ کو توجہ صفحہ چھ کی طرف مبذول کرواں گا جس میں انہوں نے بڑے احسن طریقے سے کہا ہے کہ

"ہمیں ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھنا چاہئے اور غیر آئینی مطالبوں پر اسرار کے منفی طرز عمل کے مضمرات اور اس میں پوشیدہ خطرات کا احساس کرنا چاہئے۔ سیاست میں رہتے ہوئے اقتدار میں آنے کی خواہش نہ غیر فطری کہلا سکتی ہے اور نہ غیر اخلاقی پارلیمنٹ جمہوری نظام کا تو خاصا ہی یہ ہے کہ حزب اختلاف کو ہمہ وقت government in waiting کا درجہ حاصل ہوتا ہے"

اب اس میں صدر صاحب نے گورنمنٹ کو سمجھایا کہ اپوزیشن کا بھی ایک مقام ہے اور آئینی طریقے سے اپوزیشن کو برسر اقتدار آنے کا حق حاصل ہے۔ اگر اپوزیشن کسی نکتہ پر اعتراض رکھتی ہے تو یہ کوئی ذاتی ناراضگی کی وجہ نہیں ہوتی ہے لیکن جمہوریت میں اپوزیشن کو بھی مخالفت برائے مخالفت نہیں کرنی چاہئے' یعنی یہ انہوں نے گورنمنٹ کو سمجھایا کہ اگر کسی ایشو پر گورنمنٹ اپنا ایک نکتہ نظر رکھتی ہے۔ تو ہم نے محترمہ اس وقت mind نہیں کیا جب مڈل ایسٹ کا بحران چل رہا تھا اور وہاں جنگ شروع تھی لیڈر آف دی اپوزیشن ایک اور بیان دیتی تھیں' ان کی پالیسی مختلف ہوتی تھی' وہ وہاں امریکہ کے حق میں بیانات دیتی تھیں اور ان کی پارٹی یہاں عراق کے حق میں بیانات دیتی تھی کہ تحریک چلانے کی کوشش کرتی تھی۔ ہم نے یہ بھی محترمہ برداشت کیا کہ اپوزیشن کی اپنی کوئی پالیسی نہیں تھی' لیڈر کی اور پالیسی ہے اور ورکرز کی اور پالیسی ہے لیکن ہم نے اس بات کو بھی mind نہیں کیا اور صدر صاحب نے ہمیں جس ف اشارہ کیا ہے' ہمیں اس

بات کا احساس ہے۔ ہم اپوزیشن کو اس کا جو مقام ہے وہ دینا چاہتے ہیں لیکن اپوزیشن کو بھی بطور اپوزیشن کام کرنا چاہئے اور ان کو اقتدار حاصل کرنے کے لئے اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اس سے جمہوریت کی تمام values کو ہی ختم کر دیں اور اس ایوان کا جو تقدس ہے اس کو بھی پامال کر دیں۔ محترمہ' ایک انسٹیٹیوشن ہوتا ہے۔ پرائم منسٹر نہیں ہوتا ہے' اس لئے میں ان سے بھی یہ گزارش کروں گا کہ انہوں نے جو باتیں کی ہیں ان میں 95 فیصد ایسی باتیں ہیں جو کہ بلا وجہ ہیں' جن کا کوئی جواز نہیں اور جن سے ہمیں ان سے اختلاف ہے۔ ہم نے ان کو نوٹ کا نہیں اور ہماری طرف سے دیکھیں کہ ایک مہینے سے زیادہ صدر صاحب کے خطاب پر اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے کا فاضل ممبران کو موقع دیا گیا اور ان کی تقاریر کو ہم نے بڑے تحمل سے سنا اور میں اور میں نے ہر فاضل ممبر کے جو نکات ہیں ان کو نوٹ کیا اور میں کوشش کروں گا کہ ان کا باری باری جواب بھی دیا جائے۔ اس کے بعد محترمہ انہوں نے فرمایا کہ پریس کے متعلق صدر صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں کی تو میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ پریس کا ایک مقام ہے' بلکہ پریس جو ہے یہ جمہوریت کی روح ہوتی ہے اور صدر صاحب نے اپوزیشن کے بعد جس ادارے کا ذکر کیا ہے وہ پریس کا ذکر ہے۔ آپ صفحہ نمبر 7 پر ملاحظہ فرمائیں۔

"جہاں میں اتنا اضافہ میں ضرور کرنا چاہوں گا کہ میں اپنے ملک کے مجاہدانہ کردار کا معترف رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ماضی میں انتہائی ناساز گار حالات کے باوجود اخبارات و جرائد میں بحیثیت مجموعی بڑی استقامت اور پوری جراحت کے ساتھ رہ رہ کر امنڈ آنے والی تاریکیوں میں بھی اس مقدس چراغ کو جلائے رکھا"۔

چنانچہ پریس کی انہوں نے تعریف کی اور پریس کا جو رول ہے اس کو انہوں نے سراہا ہے اس لئے میں نے پہلے گزارش کی ہے کہ اگر وہ صدر صاحب کی تقریر کو ایک دفعہ پڑھ ہی لیتے تو شاید انہیں یہ باتیں کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اختلاف رائے کے بارے میں جس طرح میں نے پہلے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں صفحہ نمبر 8 پر صدر صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔

"اختلاف رائے جمہوریت کا حسن ہے اور اس کی توانائی کا سرچشمہ بھی' اختلاف رائے کا احترام بھی ہونا چاہئے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کہ اس سے بحث و تمحیص کی ابتداء ہوتی ہے اور مسائل کے تمام پہلو اجاگر ہو کر ہم آہنگی اور اتفاق رائے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔"

چنانچہ ایک طرف تو شاید اپوزیشن کو بھی انہوں نے ہدایت کی' شاید ان کو یہی بات ناگوار گزری ہو اس کے یہ ضروری ہے کہ اختلاف رائے کا مقصد مخالفت برائے مخالفت کی بجائے بہتری کی صورت پیدا کرنا ہو تو دوسری طرف یہ بھی لازم ہے کہ اختلاف رائے کو برداشت کرنے کے لئے حوصلہ کا مظاہرہ کیا جائے اور مخالفین کی بات کو محض اس لئے رد نہ کیا جائے کہ ان کی سیاسی وابستگیاں کہیں اور ہیں چنانچہ انہوں نے گورنمنٹ اور اپوزیشن دونوں کو ایک راہ پر چلانے کی کوشش کی اور ہر ایک کے لئے ایک راہ متعین کی کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ اپوزیشن کو برداشت کرے اور اپوزیشن کو بھی چاہئے کہ وہ بھی صحت مند اور مثبت مخالفت کرے اور مخالفت برائے مخالفت کی راہ پر نہ چلے اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ پہلو جو انہوں نے اجاگر کیا ہے یہ بھی ایک ایسا پہلو ہے جو کہ صدر صاحب کو زیب دیتا ہے اور ان کا اپنا ایک مقام ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ جو اس وقت پاکستان کے صدر ہیں ان کا تجربہ' ان کی قابلیت' ان کا صبر اور ان کا تحمل قابل داد ہے' اس دن جو کچھ کیا گیا میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید اس وقت کوئی اور صاحب تقریر کر رہے ہوتے صدر صاحب کی بجائے' تو شاید وہ temper loose کر جاتے لیکن صدر صاحب نے بڑے تحمل سے جو انہوں نے اپنے خطاب میں بات کی انہوں نے اسے اپنے عمل سے ظاہر کیا کہ اگر اپوزیشن بلاوجہ مخالفت بھی کرے اور تمام حدود سے بھی بڑھ جائے تو پھر بھی اس کو برداشت کرنا ضروری ہوتا ہے اور ہماری حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ ہم نہ صرف اپوزیشن کو برداشت کریں گے بلکہ کوشش یہ کریں گے کہ اپوزیشن کو وہ مقام دیا جائے اور ہم نے دیا ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو کہ اپوزیشن کی طرف نہیں ہونی چاہئیں لیکن ہوتی ہیں ہم ان کو برداشت کرتے ہیں ہم اپوزیشن کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں یہ ہماری کوئی آپس میں دشمنی نہیں۔ جمہوریت میں حکومت اور اپوزیشن' دونوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہئے۔ اور ہم ان کو برداشت کرتے ہیں۔ محترمہ! جس بات کی تعریف کی

گئی وہ بلاوجہ تعریف نہیں کی گئی بلکہ صدر صاحب نے اس بات کی تعریف کی کہ ایک سال کے دوران جتنی قانون سازی ہوئی اس سے پہلے جو regime تھی اس کے دوران اتنی قانون سازی نہیں کی گئی۔ چنانچہ صفحہ 6 پہ صدر صاحب نے اس کا ذکر کیا۔ اور میں آج آپ کی وساطت سے اس ایوان کے سامنے وہ حقیقی اعداد و شمار رکھنا چاہتا ہوں جو کہ ایک سال کے دوران بلکہ ہمیں اللہ کے فضل و کرم سے سولہ مہینے بر سر اقتدار آئے ہوئے تقریباً ہو چکے ہیں اور ہم سے پہلے جو حکومت تھی وہ بیس مہینے بر سر اقتدار رہی۔ تو میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ جس دن صدر صاحب نے خطاب فرمایا اس دن نیشنل اسمبلی سے کل چھبیس بل پاس کئے گئے سولہ مہینے کے دوران' اور بیس مہینے کے دوران کل تیرہ بل پاس کئے گئے چنانچہ یہ regime performance تھی قانون سازی کی اور جو بل pendings ہیں جو پاس ہونے کے لئے رپورٹس میں آ چکے ہیں کمیٹی کی وہ تینتیس (33) ہیں اور ان کے جو بل pendings تھے وہ بائیس (22) چنانچہ جو بل ایمرج ہوئے from ordinances وہ پندرہ (15)' ان کے 18 تھے۔ چنانچہ قانون سازی کا جہاں تک معاملہ ہے سولہ مہینے میں ہماری کارکردگی ان سے بہتر تھی۔ اور صدر صاحب نے بجا طور پر اس بات کی تعریف کی۔

محترمہ! انہوں نے جو یہ بل تیرہ یا چودہ پاس کئے اس میں کوئی اس قسم کا بل نہیں تھا جو کہ قابل ہو بلکہ اس میں کیا ہوتا تھا کہ چھوٹی سی ترمیم ہوتی تھی کہ کہیں ایک یا دو لفظ کی ترمیم کر دی گئی consider تو وہ بھی بل ہوتا ہے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے اس سولہ مہینے کے دوران شریعت بل پیش کیا غیر قانونی اسلحے کا بل یعنی بہت سے بل ہم نے پیش کئے کوئی ترمیم نہیں دی ہم نے نئے بل پیش کئے اور ہم نے آئین میں ترمیم کی اور بارہویں ترمیم جس کے متعلق کہا جاتا ہے اور صدر صاحب نے بھی اس طرف اشارہ کیا کہ قانون سازی میں جلد بازی نہیں ہونی چاہئے اس حد تک ان کی بات درست ہے۔ لیکن میں چونکہ اس وقت خود pilot کر رہا تھا میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ہمیں دیتے ہیں گلہ' کہ ہم نے بہت جلدی کی' محترمہ! ہماری یہ خواہش تھی جس طرح اسی ترمیم کو جب سینٹ میں ٹرانسمٹ ہوئی تو ہم نے معزز ممبران کو تقریر سے روکا نہیں ہم نے ان کو اظہار خیال کا پورا موقع دیا۔ محترمہ! میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ بہتر طور یہ سمجھتی ہیں کہ جب کوئی

آئینی ترمیم ہو یا ordinance اس کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ میں نے جب پہلے مرحلے پہ فرسٹ ریڈنگ کے لئے موشن پیش کی کہ فوری طور پہ اس کو consider کیا جائے تو جب میں نے یہ move کی تو محترمہ! چاہئے تو یہ تھا کہ اس وقت اس کو oppose کیا جاتا۔ یہ ریکارڈ نیشنل اسمبلی کا نکلوا کر دیکھ لیں۔ کہ بجائے اس کے کہ اپوزیشن کی طرف سے اس کو oppose کیا جاتا وہ صرف یہی کہتے رہے پوائنٹ آف آرڈر۔ یعنی جس طرح صدر صاحب کے خطاب کے دوران ان کو نہیں پتہ کہ وہ کیا کر گئیں اور ہم نے ٹی وی پہ وہ بات دکھائی کہ قوم یہ دیکھے کہ یہ کیا کر رہے ہیں اور جو مورلٹی پہ ایتھلکس پہ' اور جو بڑی بڑی ہاورڈ اور آکسفورڈ کی باتیں کرتے ہیں اور جمہوریت میں وہ پتہ نہیں کیا کیا فلسفہ' جو مجھے تو اتنی آتی نہیں وہ کرتے کیا ہیں؟ ہم نے T.V. پہ اس کو دکھایا اور انہوں نے اس دن بھی جس دن بارہویں ترمیم تھی اس دن oppose نہیں کیا۔ اگر وہ oppose کرتے' سپیکر صاحب پابند تھے اس بات کے' یہ پابندی تھی رولز کے تحت کہ جو فاضل ممبر صاحبان اس کو oppose کرتے ہیں تو پھر ان کو موقع دیا جاتا ہے کہ اس لئے ہم اس کو oppose کرتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے' منسٹر انچارج ممبر انچارج' وہ پھر explain کرتا ہے کہ اس لئے اس کو پاس کیا جائے۔ محترمہ! جب وہ اس کو oppose ہی نہیں کرتے جہاں ایک دن میں تین بل پاس ہوئے ہیں سینٹ میں' یہ مہربانی ہمارے بھائیوں کی کہ انہوں نے سمجھا کہ بل ٹھیک ہیں اپوز کرنے کی ضرورت نہیں تو اس میں کوئی discussion نہیں ہوئی۔ اگر سینٹ میں ایک دن میں تین بل پاس ہو سکتے ہیں تو قومی اسمبلی میں ایک دن میں ایک بل کیوں نہیں پاس ہو سکتا؟ محترمہ! اس کو oppose نہیں کیا گیا۔ فرسٹ ریڈنگ ختم ہو گئی اور سپیکر صاحب پابند تھے اس بات کے کہ وہ سیکنڈ ریڈنگ میں کلاز بائی کلاز put کرتے' انہوں نے کلاز بائی کلاز put کیا۔ محترمہ! تیسری ریڈنگ جب شروع ہوئی۔ پھر موشن move کی جاتی ہے کہ بل کو پاس کیا جائے۔ اس وقت بھی oppose نہیں کیا۔ اور پھر اس پہ ڈویژن ہونا ہوتی ہے۔ جب سپیکر صاحب نے کہہ دیا کہ لابیز کو کلیر کر دیا جائے تو فاضل ممبران اٹھ کر ووٹنگ کے لئے جائیں تو پھر اس کے بعد اس کو oppose کیا گیا لیکن وہ

stage گزر چکی تھی لیکن اس کے باوجود صدر صاحب نے ہمیں یہ اشارہ اور ہدایت دی کہ قانون سازی میں عجلت نہیں ہونی چاہئے کوئی جلدی نہیں ہونی چاہئے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی oppose ہی نہ کرے تو کیا ہم خود جا کر ان کو کہیں کہ oppose کریں اس لئے بارہویں ترمیم ہم نے کی اور خاص طور پر محترمہ! شریعت بل کو ہم نے پاس کیا اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی حکومت ہے جس نے اسلامی نظام کی بنیاد رکھی' اور ہم نے شریعت بل میں واضح طور پر لکھا کہ اس ملک کا بالاترین قانون قرآن وسنت ہو گا سپریم لاء قرآن وسنت ہو گی۔ اور اس ملک میں اس کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ چنانچہ محترمہ! ہم نے جو قانون سازی کی ہے وہ محض خانہ پری یا minor amend-ments نہیں ہیں۔ ہم نے بہت سے بل جو پاس کئے ان پہ اگر ان کی طرف سے دیکھا جائے تو جتنی کلاز ز ہمارے ایک بل کی ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام بل جو انہوں نے پاس کئے ہیں وہ ان تمام کلاز ز کے برابر بھی نہ ہوں چنانچہ قانون سازی ہم نے ان سے بہت زیادہ کی ہے محترمہ! ہم نے اس کے علاوہ شریعت بل میں قانون سازی کے ذریعے' ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ سدا بادشاہی اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے ساری عمر ہم نے بر سر اقتدار نہیں رہنا ہم نے قانون سازی کے ذریعے اپنے آپ کو اور آنے والی تمام حکومتوں کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ اس ملک میں نظام تعلیم اسلامی ہو گا معیشت اسلامی ہو گی۔ فحاشی کا خاتمہ ہو گا اور اس ملک میں کوئی شخص شریعت کے خلاف اسلام اور قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنا سکتا۔ ہم نے لیجسلیشن کے ذریعہ اب آپ کو بھی پابند کیا اور آئندہ آنے والی حکومت کو بھی پابند کر دیا اور اس کی طرف ہم نے پیش رفت کی ہم نے نظام تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا وہ کام کر رہا ہے اور مجھے امید ہے اللہ کے فضل و کرم سے کہ بہت جلد تعلیمی پالیسی آئے گی اور اس میں آپ دیکھیں گے کہ کمیشن نے واقعی جو کام کیا اس کو سراہا جائے گا۔ دوسرا جو معیشت کا جو معاملہ ہے اس کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لئے کمیشن بنایا گیا اور یہ اپنا کام کر رہا ہے۔

محترمہ! میں یہ عرض کروں گا کہ ہر بات کو issue نہیں بنا لینا چاہئے اور ملکی مفاد کو دیکھنا چاہئے اور جب تنقید کی جائے تو گورنمنٹ اور اسٹیٹ میں فرق ضروری رکھنا

چاہئے۔ یعنی جس بات سے اسٹیٹ کو نقصان پہنچے یا پہنچتا ہو وہ بات نہیں کرنی چاہئے گورنمنٹ میں ہم اپنے آپ کو فرشتہ نہیں سمجھتے ہم سے سو غلطیاں ہوتی ہیں ہم بھی انسان ہیں لیکن ہماری غلطی کو اگر اس لئے، تصحیح کے لئے اگر تنقید کی جائے تو بڑی اچھی بات ہے لیکن بلاوجہ غلطی بھی نہ کی جائے اور خواہ مخواہ اگر تنقید کی جاتی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اپوزیشن کو زیب نہیں دیتا۔ اب یہ دیکھ لیں، کہ ہم نے، فیڈرل شریعت کورٹ سے ایک فیصلہ آیا اور اس کے خلاف اپیل دائر کی گئی۔ اور وہ بھی پرائیویٹ پارٹیز کی طرف سے، اور محترمہ! اس بات کو بھی اچھالا جارہا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آرٹیکل نمبر 203 کے تحت ہی یہ اختیار دیا گیا ہے فیڈرل شریعت کورٹ کو کہ اگر فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس کوئی آدمی درخواست دیتا ہے گورنمنٹ جاتی ہے یا *suo moto* وہ یہ سمجھتی ہے *suo moto* والی میں ذرا کنفرم کرلوں۔ یعنی جو قانون فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے جاتا ہے۔ تو وہ یہ دیکھے گی کہ کیا۔ یعنی صرف یہ اختیار ہے فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس کہ یہ قانون یا اس قانون کی کوئی شق یعنی any law or provision of law injunctions of Islam کے خلاف تو نہیں۔ یہ اس نے ڈیکلیر کرنا ہوتا ہے صرف کہ یہ قانون یا اس کی کوئی شق اسلام، یعنی قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ یہ دائرہ اختیار ہے فیڈرل شریعت کورٹ کا۔ لیکن اسی آئین کے تحت جس آرٹیکل میں یہ لکھا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے اسی آئین میں یہ لکھا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم ایپلیٹ کورٹ سپریم ایپلیٹ بینچ، وہ بھی شریعت کورٹ ہے۔ اگر ایک عدالت سے فیصلہ ہوتا ہے اور آئین کے تحت اس عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کی جاتی ہے تو اس میں کون سی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ کون سے آئین کی خلاف ورزی ہے۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپیل ضرور ہونی چاہئے اس لئے کہ اس میں اپنا اپنا ایک نقطہ نظر ہے۔ چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ صرف یہ ڈکلیر کرتی ہے کہ یہ injunctions of Islam کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ لیکن آگے اسے explain کر کے متبادل نظام دینا یہ شریعت کے ایپلیٹ بینچ کا کام ہے۔ یہ اس بینچ کا کام ہے جس میں پیر کرم شاہ صاحب بیٹھے ہیں۔ ظلہ صاحب بیٹھے ہیں۔ یعنی سپریم کورٹ کے جج اور علمائے کرام بیٹھے ہیں۔ ویسے بھی محترمہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایک

لوئر عدالت سے ایک فیصلہ ہوتا ہے تو اوپر کی عدالت سے اگر اس فیصلے کو چیلنج کر کے final verdict لے لی جائے تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر یہ۔ یعنی کہا جاتا ہے سپریم اپیلی بینچ سے کہ یہ فیصلہ درست ہے تو بین الاقوامی طور پر 'یعنی سپریم کورٹ کا فیصلہ اور فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ سمجھ لیں کہ ملتا جلتا ہے ہائی کورٹ کے مطابق اس کا سٹیٹس' یعنی بالکل مطابقت نہیں' اس سے مطابق ہے لیکن بین الاقوامی طور پر highest court کا فیصلہ مانا۔ اگر یہی فیصلہ آتا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ درست ہے تو بین الاقوامی طور پر اس فیصلے کو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے سے زیادہ پزیرائی حاصل ہو گی کیونکہ یہ highest court کا فیصلہ ہے۔ لیکن محترمہ اپنا اپنا ایک نقطہ نظر ہوتا ہے مثلاً اپیل کی گئی۔ یہ ایک view point ہے جو گراونڈ لی گئی ہے۔ چونکہ یہ معاملہ subjudice ہے اس لئے اس پر بات نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن جو اپیل کی گئی اس میں دو تین چار پوائنٹس لئے گئے ہیں جو بڑے valid points ہیں۔ یعنی وہ *prima facie* valid point ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں اور کوئی وہاں explanation دے کر فیصلہ کا ہو مثلاً وہاں یہ ایک پوائنٹ لیا گیا کہ سپریم کورٹ لا کو دیکھ سکتی ہے۔ نظام کو نہیں دیکھ سکتی۔ یعنی سود کا ایک نظام ہے اور جہاں تک ربوا کا تعلق ہے ربوٰ اسلام میں حرام ہے۔ اس پر کوئی دوسری رائے ہو نہیں سکتی۔ لیکن یہ بہت سے 'ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹس ہیں انشورنس کا نظام ہے اور کئی۔ مثلاً پی ایل ایس ہے۔ ہر ایک کو ایک ایک کر کے دیکھنا پڑے گا کہ کیا یہ ربوا کی تعریف میں بھی آتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اسے بھی اچھالنے کی کوشش کی گئی تو میں اپنے ان ممبران سے جنہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ گورنمنٹ نے اپیل نہیں کی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ کرے بھی تو اس میں آئین کی کوئی compliance ہوتی ہے۔ یعنی یہ کوئی نہیں ہوتی بلکہ آئین کی نہیں کہ عام کیس میں ایک آدمی کو سیشن جج صاحب کی عدالت سے فیصلہ ہوتا ہے پھر وہ ہائی کورٹ میں جاتا ہے یا ہائی کورٹ سے فیصلہ سپریم کورٹ میں جاتا ہے اور فیڈرل شریعت کورٹ کے تمام فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں باقی میں جایا جا سکتا ہے تو اس میں کیوں نہیں جایا جا سکتا۔ اس لئے میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ یہ جو پوائنٹ کچھ فاضل ممبران کی طرف سے اٹھایا گیا

اس میں کوئی substance نہیں تھا۔ کوئی آئین کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ اگر گورنمنٹ اپیل کرتی ہے۔ کوئی غلط کام بھی نہیں کریں گے لیکن پرائیویٹ پارٹی نے اپیل کی ہے تو ہم کم از کم انہیں تو نہیں روک سکتے اور فیڈرل شریعت کورٹ نے بڑا مفید کام کیا ہے۔ انہوں نے تقریباً تین سو سے زیادہ قوانین کا جائزہ لیا ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ کام کیا اور بہت سی جو judgements آئی ہیں فیڈرل شریعت کورٹ سے اور اس کے اپیلیٹ بینچ سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ واقعی صحیح گائیڈ لائن فراہم کرتی ہیں۔ اور جو verdict آئے گی اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قانون سازی کی جائے گی۔ اور قانون سازی کا حق پھر بھی پارلیمنٹ کو ہے۔ اور اس کے مطابق قانون سازی کی جائے گی۔ اور اس معاشرے اور ملک کو اسلامک ویلفیئر سٹیٹ بنانے کی طرف ہم نے مثبت پیشرفت شروع کر دی ہے۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے۔ محترمہ ہم تو اتنے کھلے دل کے۔ یعنی گورنمنٹ کی پالیسی ہم دیکھیں یہاں ایک بل پیش کیا گیا illicit arms کا فاضل ممبران کی یہ رائے تھی کہ اس میں کچھ improvement کی ضرورت ہے۔ اس میں اگر کچھ improvements کر لی جائے تو منسٹر صاحب نے جو انچارج تھے انہوں نے statement دیا۔ کمیٹی بنا دی گئی اور اس کمیٹی کی رپورٹ آنے پر۔ ہم ضد کی بات نہیں کرتے۔ ہم اس پارلیمنٹ کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ اور جس طرف صدر صاحب نے اشارہ کیا کہ اگر اپوزیشن کی طرف سے بھی ایک بات سامنے لائی جاتی ہے جو ٹھیک ہو تو محض اس لئے اسے رد نہ کیا جائے کہ وہ اس آدمی کی طرف سے یہ بات کہی گئی ہے جس کے سیاسی نظریات کچھ اور ہیں اس کا ہم نے عملی ثبوت دیا اور illicit arms کے بل میں کمیٹی بنائی گئی اور وہ بھی اس ایوان میں جب آئے گا اس کے متعلق جو فاضل ممبران کی رائے، واضح اکثریت ہو گی اسی طرح اس بل کو محترمہ پیش کیا جائے گا۔ محترمہ اس کے علاوہ لا اینڈ آرڈر کے متعلق بات کی گئی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ واقعی ایک مسئلہ ہے اور یہ صرف پاکستان میں نہیں، بلکہ یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ امریکہ جو اپنے آپ کو بڑا مہذب ملک کہتا ہے وہاں بھی نیویارک میں رات آٹھ بجے کے بعد advice کرتے ہیں کہ آپ باہر نہ نکلیں۔ لیکن ہم اسے justify نہیں کرتے۔ اور یہ لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ یکدم خراب نہیں ہوا سندھ کا بڑا ذکر کیا گیا۔ 1973ء میں پہلی دفعہ لسانی وہاں فسادات کرائے

گئے۔ لیکن ہم نے لااینڈ آرڈر کو درست کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ اور اس میں اللہ کے فضل وکرم سے ہمیں کامیابی ہوئی۔ اور پہلے سے لااینڈ آرڈر کی صورت حال بہتر ہوئی۔ محترمہ میں ایک گزارش کرتا ہوں کہ پہلے یہ فیشن تھا کہ اگر کوئی شادی ہوتی تھی کلاشنکوفوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ گولیاں چلائی جاتی تھیں۔

ایک کوئی آدمی جا رہا ہے تو اس کے ساتھ تین چار باڈی گارڈ ہیں۔ اور کلاشنکوف کو اس طرح استعمال کیا جاتا تھا جیسے یہ کوئی کھلونا ہے۔ اور ہم نے قانون سازی کی اور اس کا یہ کم از کم ضرور فائدہ ہوا کہ جرائم اپنی جگہ کم ہوئے لیکن اب اس طرح بر سرعام اس اسلحہ کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا جس طرح پہلے کیا جاتا تھا محترمہ یہ بارہویں ترمیم پر بڑی تنقید کی جا رہی تھی لیکن جب اس کے اثرات آنے شروع ہوئے۔ محترمہ یہ کون برداشت کرے گا آج ایک آدمی کا بیٹا قتل ہوتا ہے سال دو سال میں اس کی تفتیش مکمل ہوتی ہے۔ پھر سیشن جج کے پاس وہ کیس جاتا ہے وہاں اپنی باری پر فیصلہ ہوتا ہے۔ پھر ہائی کورٹ میں جاتا ہے۔ وہاں پانچ سات سال کے بعد اپیل نکلتی ہے۔ پھر سپریم کورٹ میں کیس جاتا ہے۔ پھر رحم کی اپیل ہوتی ہے۔ چنانچہ آج جب قتل ہوتا ہے تو تمام locality کے رہنے والوں کی اس شہر اس گاؤں کی ہمدردیاں مقتول کے ساتھ ہوتی ہیں۔ لیکن جب بیس سال کے بعد قاتل پھانسی لگتا ہے تو وہی لوگ اس کے گھر افسوس کرنے جاتے ہیں۔ ہم خدانخواستہ کوئی متبادل نظام نہیں لانا چاہتے۔ یعنی ہم نے ان جرائم کو جس کا شیڈول میں ذکر کیا گیا۔ مثلاً قتل ہوتا ہے۔ قتل کئی ایک طریقے سے ہوتا ہے مثلاً اگر دو بھائی زمیندار ہیں کسی زمین کے معاملے میں جن کا جھگڑا ہو جاتا ہے ایک فوت ہو جاتا ہے۔ یا اتفاقیہ گولی چل جاتی ہے۔ یا نیت اگر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس قتل میں اور جو قتل یہاں چوک میں کیا جائے، زیرو پوائنٹ پر کیا جائے اور سرعام کچہری میں لوگوں کو مارا جائے۔ اور لوگوں کو یعنی راجہ بازار میں مارا جائے محترمہ جو terrorist activities ہیں یعنی ان بیچاروں کا کیا قصور جو کراچی سے ریل کے ذریعے آتے ہیں اور ان کو شہید کر دیا جاتا ہے مار دیا جاتا ہے یعنی سنگین جرائم کے لئے جو public morality کو جو sensational

ہوں جو gruesome ہوں یعنی وہ جرائم جو سنگین نوعیت کے ہوں ان کو ان عدالتوں میں بھیجا جاتا ہے اور چوں کہ دوسری عدالتوں میں کام بہت ہوتا ہے اس لئے وہاں کچھ تاخیر ہو جاتی تھی اور ہم یہ کر سکتے تھے جب ہم نے یہ عدالتیں بنائیں قانون کے اندر لکھا ہوا ہے کہ ہر وہ شخص جو ہائیکورٹ کا جج ہو۔ ہائیکورٹ کا جج بننے کا اہل ہو یا ہائیکورٹ کا جج رہ چکا ہو اس کو اس عدالت کا Presiding Officer بنایا جائے گا محترمہ ہم کر سکتے تھے کہ ان وکلاء کو جو کہ ہائیکورٹ کے جج بننے کے اہل ہوں ان کو بھی ہم Presiding Officer بنا سکتے تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے نہیں بنایا کہ ہم تو نیک نیتی سے لوگوں کو انصاف دینا چاہتے ہیں اور شریعت بل میں ہم نے وعدہ کیا ہے کہ ہم inexpensive اور speedy انصاف دیں گے اور ان مظلوم لوگوں کو یعنی یہ نہیں کہ ایک آدمی بے گناہ مقدمے میں ملوث ہو جاتا ہے وہ بھی کیوں جیل میں آٹھ دس سال رہے وہ بری ہو سکتا ہے وہ تین مہینے کے بعد، دو مہینے کے بعد بری ہو سکتا ہے اور ہوا ہے کہ ایک عدالت سے ایک آدمی کو سزا ہوتی ہے appellate عدالت سے وہ بری ہو جاتا ہے یا نیچے سے ہی بری ہو جاتا ہے یعنی اگر ایک بے گناہ آدمی بھی پھنسے تو وہ زندگی کا آدھا حصہ گزار کر بری ہو اس کی بارہ سال بیس سال کی زندگی ضائع ہوتی ہے لیکن جو گناہ گار ہو اس کو جلدی سزا ملے اور جو بے گناہ ہو اس کو جیل سے جلدی باہر نکالنے کے لئے یہ عدالتیں قائم کی گئی ہیں ان میں ہم نے sitting judges اور retired judges کو لیا ہے اور جو ہم نے Appellate bench دیا اس میں ایک sitting Judge of the Supreme Court and two sitting Judges of the High Court

اور محترمہ ہم نے یہ نہیں کیا کہ حکومت nominate کر دے گی حکومت کرے گی ہم نے اپنے آپ کو پھر پابند کیا کیوں کہ ہم نے 18 ماہ کے دوران دیکھا کہ 1988ء سے لے کر 1990ء تک کہ جب حکومت آتی ہے طاقت آتی ہے تو نشہ بھی اتنا ہو جاتا ہے کہ آدمی خدا کو بھی بھول جاتا ہے ہم نے بڑی عاجزی سے اپنے آپ کو اپنے لیول پر رکھنے کے لئے اپنے آپ کو باندھا ہوا ہے ہم نے اس قانون میں لکھا ہے کہ جس شخص کو جس جج کو یا جس retired Judge کو یا جس شخص کو جو ہائیکورٹ کا جج بننے کے لئے qualify کرے Presided Officer بنانا ہو گا اگر trial court کا بنانا ہے تو اس ہائیکورٹ کے Chief Justice کے مشورے سے اس کی

recommendations سے پہلے وہ آدمی ہائیکورٹ کے Chief Justice کو satisfy کرے گا پھر حکومت کے پاس اس کا نام آئے گا تو ہم اس کو مقرر کریں گے اور اسی طرح Appellate benc میں بھی Supreme Court کے Chief Justice اور respective کے ہائیکورٹ کے Chief Justice نام لیں گے ان کو بنایا جائے گا یعنی ہم نے اپنا اختیار کم کیا کہ آدمی کسی وقت غلطی بھی کر جاتا ہے ہم کہیں کوئی وہ بات نہ کر دیں کہ انصاف کی راہ میں رکاوٹ پڑے چنانچہ یہ بارہویں ترمیم تھی جس کے خلاف بات کی جاتی رہی۔ محترمہ ہم ان 16 ماہ کے دوران' پانی کا جو مسئلہ تھا یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا اور تقریباً 70 سال سے کوئی حکومت ڈر کے مارے خوف کے مارے اس کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی کہ پتہ نہیں کیا ہو جائے گا لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مسئلے کو بھی حل کیا اس پر چونکہ بہت سی باتیں ہو چکی ہیں اور یہ جو Council of Common Interest کا اجلاس تھا یہ 18 مہینے کے دوران جب ہم اپوزیشن میں تھے ہم اسمبلی میں ہم سینٹ میں پارلیمنٹ کے اندر پارلیمنٹ کے باہر یہ کہتے رہے مطالبہ کرتے رہے کہ اجلاس بلایا جائے لیکن اجلاس نہیں بلایا گیا آخر مجبور ہو کر ہم کو سپریم کورٹ میں جانا پڑا درخواست دینا پڑی Council of Common Interest کا اجلاس بلایا جائے محترمہ کیا یہ Constitutional requirement نہیں تھی جناب والا آج تو ان کو آئین اور قانون بہت یاد آتا ہے میں کوئی Justification نہیں دیتا کہ انہوں نے جو غلط کام کیا ہم کریں ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی غلط کام نہیں کریں گے میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہم نے Council of Common Interest کا اجلاس بلایا اور محترمہ آپ نے دیکھا کہ ہم نے ہر صوبے کو اس کا حق دیا اس کو royality دی اور بلوچستان ہو سندھ ہو پنجاب ہو سرحد ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری حکومت تمام صوبوں کو ساتھ لے کر چل رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے وزرائے اعلیٰ ہیں اور ہمیں ان کا اعتماد حاصل ہے اور پہلے 1988ء میں ان کی کئی صوبوں سے ناراضگی تھی اور اس صوبے کے وزیر اعلیٰ کو Cabinet meeting میں بھی بلانا پسند نہیں کرتے تھے اور ہم نے ہر صوبے کو یعنی Provincial Autonomy کا دیکھ لیں ہر ایک کو یعنی صوبے کو اس کے حق کے مطابق حصہ دیا۔

محترمہ یہ unemployment کا معاملہ بھی ایک بین الاقومی معاملہ ہے اس وقت بھی برطانیہ میں تیس لاکھ سے زیادہ enrolled unemployed ہیں جو کہ الاؤنس لیتے ہیں اور امریکہ میں بھی بیروزگاری ہے یعنی یہ ممکن نہیں کہ پبلک سیکٹر میں حکومت کے اندر اتنی ملازمتیں ہو نہیں سکتیں اس لئے یہ پرائیویٹائزیشن کی جو پالیسی ہے میرے بھائی سرتاج عزیز صاحب نے جس کی وضاحت کی ہے یہ انڈسٹری جب فری ہو گی جب انڈسٹری میں private sector میں ملیں اور لگیں گی لوگ کام کریں گے تو پرائیویٹ سیکٹر میں زیادہ مواقع ہوتے ہیں ایک لائق آدمی کے لئے اور میں یہ سمجھتا ہوں یہ کہتے ہیں کہ privatization میں مزدوروں کو نکال نہ دیں کیوں نکالا جائے گا مزدوروں کو' جو کام کرنے والا آدمی ہے اسے کوئی کیوں نکالے گا اور انہوں نے۔ یہاں تو میں ان کا شکر گزار ہوں کہ مزدوروں کے حق میں بل یہاں آیا اس کو انہوں نے اتفاق رائے سے پیش کیا پاس کیا لیکن اس کے لئے محترمہ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں وزیر تعلیم صاحب نے جو اس پر کام کیا ہے اس میں نظام تعلیم میں کچھ تبدیلی لانا ضروری ہو گی اور انشاء اللہ ہماری حکومت لائے گی ہمارے وزیر تعلیم جو کہ ماشاء اللہ بڑے لائق اور ذہین میرے ساتھی ہیں انہوں نے اس پر بہت کام کیا ہے اس وقت کیا طریق کار ہے کہ ایک لڑکا آٹھ جماعت سے میٹرک کر لیتا ہے پھر ایف اے بی اے کر لیتا تھرڈ ڈویژن میں اور پھر وہ ایم اے بھی کر لیتا ہے بعد میں کلرکی کی نوکری نہیں ملتی محترمہ یہ کالج اور یونیورسٹیاں جو ہیں یہ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ہو سکتا ہے پورے پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں ہر سال بیکار پیدا کرتے ہیں نظام تعلیم میں جب تبدیلی آئے گی تو اس کے لئے unemployment کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیکار پیدا کم کئے جائیں اور جو پہلے تعلیم یافتہ ہیں ان کو روزگار پر لگایا جائے یعنی industrial policy, education policy یہ دو اہم کردار ادا کریں گے اور law and order بھی اس سے یعنی ایک factor یہ بھی ہے کہ جب ایک آدمی بیروزگار ہوتا ہے اس کو frustration ہوتی ہے۔ تو وہ بیچارہ یا اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے یعنی آپ دیکھیں کہ نوجوان نسل اور ان میں سے غالب اکثریت ان پڑھے لکھے نوجوانوں کی ہے جو ایف اے بی اے ایم اے ہیں ہوتا کیا ہے کہ ایک آدمی زندگی کے 16 سال کالج میں گزارتا ہے اور 5' 6 سال کی عمر میں وہ پڑھنا شروع کرتا ہے تقریباً اس کی عمر

23' 24 یا 25 سال ہوتی ہے جب 25 سال کے بعد وہ فارغ ہوتا ہے اس نے یونیورسٹی اور کالج میں پتہ نہیں کیا کیا خواب دیکھے ہوتے ہیں لیکن جب وہ عملی زندگی میں آتا ہے تو اسے جونیئر کلرکی نہیں ملتی پولیس میں کانسٹیبل بھرتی نہیں ہو سکتا اور گھر والے بھی اس سے پریشان وہ گھر والوں سے پریشان frustration ہوتی ہے تو کرتا کیا ہے یا تو اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے جب وہ اپنے پر ظلم کرتا ہے اور وہ نشہ کرنا شروع کر دیتا ہے ڈرگ مافیا آپ دیکھیں اس میں غالب اکثریت نوجوانوں کی ہے یا تو اپنے آپ پر ظلم کر کے وہ نشہ کرتا ہے مختلف طریقوں سے اور اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہے یا پھر وہ انتقامی ہو جاتا ہے یعنی وہ اس راستے پر چل پڑتا ہے جو کہ صحیح راستہ نہیں یعنی کوئی چوری، کوئی ڈاکہ اس قسم کا سلسلہ، میں سمجھتا ہوں کہ ویسے بھی جو خالی دماغ ہوتا ہے وہ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے اس لئے جب بیروزگاری کم ہو گی پڑے لکھے نوجوانوں کو یہ گارنٹی ہو گی کہ وہ پڑھ لکھ کر جب فارغ ہوں گے ان کو ذریعہ معاش کا فکر نہیں گا جب private sector میں industry لگے گی جب نوجوانوں کو صحیح ذریعہ معاش مل جائے گا اس سے law and order بھی ٹھیک ہو گا اور اس سے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پورے معاشرے پر اچھے اثرات پڑیں گے محترمہ اب آخر میں میں کچھ نکات فارن پالیسی کے متعلق اٹھائے گئے ہیں میرے ساتھی وزیر خارجہ نے خود ان کا جواب دینا تھا آج چونکہ وہ یہاں موجود نہیں ہیں میرے ذمہ یہ کام لگا ہے تو میں پہلے ہی معذرت کروں گا کیوں کہ میں فارن پالیسی پر expert نہیں ہوں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ کشمیر کے معاملے میں یہاں بات کی گئی تو کشمیر کے معاملے میں ہمارا موقف بڑا واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہئے اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی اور ہم نے اس کو دو ٹوک الفاظ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہماری وہی پالیسی ہے جو کہ اس سے پہلے تھی وہ کیا ہے کہ کشمیریوں کو United Nation کے resolutions کے مطابق استصواب رائے کا حق دیا جائے اور ان کو اس بات کا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ کریں۔ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ ووٹ کے ذریعے کریں کہ وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا ان کی کوئی اور آپشن ہے تیسری کوئی آپشن ہو نہیں سکتی محترمہ Independence Act when in 1947 میں پاس ہوا تو اس میں ہندوستان جب اکٹھا تھا اس کے مسلمانوں کو اور جتنی ریاستیں تھیں ان کے رہنے والوں کو

options ہی دو دی گئیں تھیں جو متحدہ ہندوستان میں تھے کہ یا آپ پاکستان میں چلے جائیں یا ہندوستان میں رہیں ان کے پاس دو ہی options تھیں جو ریاستیں تھیں ان کو بھی دو ہی options تھیں کہ آپ یہ رائے دیں کہ آپ پاکستان کے ساتھ جانا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ۔ کشمیر کو بھی یہ آپشن دی گئی تھی لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہندوستان نے جو کہ پہلی دفعہ خود یونائیٹڈ نیشن میں گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس وقت وزیر اعظم تھے اور ان کی درخواست پر یہ ریزولیشن پاس ہوا کہ کشمیریوں کو یہ حق دیا جائے گہ وہ plebiscite کے ذریعے وہ رائے شماری کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ وہ کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ آج اگر اس بات سے انحراف کیا جاتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی میں تھوڑا سا quote کروں گا کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات جو ہیں وہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے جب تک کشمیر کے مسئلے کا حل نہیں نکالا جاتا اور ہم پر امن طریقہ سے اس کا حل نکالنا چاہتے ہیں یونائیٹڈ نیشن کے ریزولیوشن کے مطابق

> "The Government under the leadership of the Prime Minister has tried to engage India in a constructive and meaningful dialogue for the peaceful settlement of the Kashmir dispute. The Prime Minister has underlined the need for a peaceful settlement of this issue in his meeting with his Indian counterpart in January this year. Unfortunately, India has not responded positively to these efforts."

محترمہ میں یہ گزارش کروں گا کہ پہلی دفعہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے وزیر اعظم نے اس بات کو اپنی زبان سے تسلیم کیا اور پاکستان ٹی وی پر اس کی اپنی آواز اور زبان سے سنایا گیا انہوں نے کہا کہ یہ جو کشمیر کا مسئلہ ہے کشمیر کا جو تنازعہ ہے یہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کے درمیان اہم معاملہ ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں جب ان کی وزیر اعظم پاکستان سے dialogue ہوئے تو اس کے بعد ان کی اپنی زبان سے کہا گیا۔ محترمہ کبھی وہ بھی زمانہ تھا کہ ہندوستان کا وزیر اعظم اسلام آباد میں آتا ہے۔ پاکستان کے دارالخلافہ میں آتا ہے اور پریس کانفرنس ہوتی ہے۔ پریس کانفرنس میں ہندوستان کے وزیر اعظم سے ایک صحافی پاکستان کی سرزمین پر پوچھتے ہیں کہ کشمیر کے مسئلے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آگے سے جواب ملتا ہے ہندوستان کا وزیر اعظم کہتا ہے کہ کس کشمیر کی بات کرتے ہو وہاں تو کئی

الیکشن بھی ہو چکے ہیں وہ تو ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے۔ اور اس وقت جو وزیر اعظم پاکستان تھیں وہ بھی وہاں موجود تھیں بجائے اس کے کہ وہ اس کی تردید کرتیں وہ کہتیں کہ یہ متنازعہ معاملہ ہے کشمیریوں کو یہ حق ملنا چاہئے ان کو یہ اختیار ہے اور کئی ریزولیوشن ہو چکے ہیں آپ نے بھی اس بات کو مانا ہے پہلے ریزولیوشن آپ نے کیا اور محترمہ انہوں نے ہنس کر خاموشی اختیار کر لی اور ہمیں اس وقت کتنی ندامت ہوئی۔ جب ہندوستان کا وزیر اعظم آتا ہے اس کو سندھ ہاؤس میں ٹھہرانا تھا ہالیڈے ان کے سامنے سے جو سڑک جاتی ہے وہاں کشمیر ہاؤس کا بورڈ لگا ہوا تھا اتار دیا گیا وہاں سڑک سے جائیں تو کشمیر ہاؤس سامنے سے نظر آتا ہے وہاں سے کشمیر کے جھنڈے اتار دیئے گے محترمہ اور باتیں چھوڑیں جتنے دن راجیو گاندھی پاکستان میں رہا۔ پاکستان ٹی وی سے مظفر آباد کے موسم کا حال تک نہیں بتایا گیا۔ محترمہ یہ ہماری پالیسی تھی اور ہمارے وزیر خارجہ نے پریس کانفرنس میں اس پالیسی کے بارے میں واضح طور پر کئی دفعہ نیشنل اسمبلی میں statement دی آج یہاں موجود ہوتے تو آج بھی یہاں کہتے محترمہ یہ جو کنٹرول لائن کو کراس کرنے والا معاملہ تھا ہمیں اس بات کا افسوس ہے وہاں ہمارے کچھ بھائی شہید ہوئے۔ لیکن ہر بات کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے ایک وقت ہوتا ہے اور ہم نے اس وقت بڑا سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا اور اس وقت اگر ہم کنٹرول لائن کو کراس کرنے دیتے تو اس سے کئی گنا زیادہ ہمارے بھائی شہید ہوتے ہماری طرف سے دیکھیں کہ ہم ہندوستان کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے کشمیری بھائیوں کو ان کا یہ حق ہے کشمیر ایک ملک ہے انہیں ہندوستان کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرائیں ان کو یہ حق حاصل ہے ہم اس بارڈر کو مانتے ہی نہیں وہ تو سیز فائر ہے کنٹرول لائن ہے۔ ایک ملک کا باشندہ اپنے ملک کے اندر کہیں بھی جا سکتا ہے۔ ہمیں 65ء والا زمانہ یاد ہے وہ لاہور سے انٹرنیشنل بارڈر توڑ دیتے ہیں ہم ان کو کوئی بہانہ نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر ہندوستان کشمیریوں کو ان کا حق نہیں دیتا تو میں prophecy تو نہیں کرنا چاہتا لیکن ہندوستان کو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑے گی اور ہندوستان کے اندر کئی ملک بن جائیں گے یہ کشمیریوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا اور آزادی کی یہ تحریک صرف کشمیر میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی طور پر اٹھی ہوئی ہے۔ ہندوستان روس سے زیادہ طاقتور نہیں وہاں اللہ کے فضل و کرم سے دیکھیں مسلم سٹیٹس آزاد ہو رہی ہیں اس لئے کشمیریوں کو ان کا حق دینا

چاہئے اور ہندوستان کو simla accord کی ان معاہدات کی اقوام متحدہ کی جو قرار دادیں ہیں ان کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ یہ پوری دنیا کی ایک پنچایت تھی۔ یونائیٹڈ نیشن تین فریق ہیں ایک پوری دنیا ہے۔ ایک ہندوستان ہے ایک پاکستان ہے تو اس کو honour کرنا چاہئے اور میں اقوام متحدہ سے بھی درخواست کروں گا جس طرح دوسرے ممالک کے معاملے میں اپنی قرار دادوں پر عمل در آمد کراتے ہیں کشمیر کے معاملے میں بھی عمل در آمد کرائیں محترمہ افغانستان کے متعلق یہاں کہا گیا میں اس معاملے پر کوئی expert تو نہیں لیکن ہماری گورنمنٹ کی جو پالیسی اور رائے ہے میں نہایت احتیاط سے بڑے مختصر وقت میں گزارش کروں گا۔

As regard Pakistan's policy on the Afghan issue, I would like to take this opportunity to reiterate that Pakistan is committed to a comprehensive political settlement of Afghanistan issue so that peace and normalcy are restored in the country and our Afghan bretheren can establish a government of teir own choice free from all outside interferences. So, in pursuance of this obejctive the Government has welcomed and expressed support to the United Nations Secretary-General's Fvie-Point Plan of 21st May, 1991, as elaborated further in his report of 17th October, 1991.

محترمہ سیکریٹری یونائیٹڈ نیشن نے جو five point پلان کیا ہے اس کے مطابق میں یہ سمجھتا ہوں اس مسئلے کا حل ہونا چاہئے اور ایک بات جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ روس اب وہاں سے جا چکا اور اب اگر ہمارے مسلمان بھائی آپس میں blood-shed ہوتا ہے کوئی آپس میں گڑبڑ ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ بہتر بات نہیں کہ آپ میں مسلمان مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور اس کے متعلق سیکرٹری جنرل کا five-point پروگرام ہے۔

We have agreed to facilitate the convening of representative Afghan Assembly and to respect its outcome. The personal representative of the U.N. Secretary-General on Afghan is currently, in conculstation of with the leaders or the representatives of the various Afghan parties and groups.

اور ان گروپس کو بھی چاہئے ان سے cooperate تاکہ وہاں ایک حکومت بن سکے۔ محترمہ جہاں تک پاک یو ایس ریلیشن کا ذکر کیا گیا ایک ہی فقرہ اس کے متعلق کہوں گا۔

We have been engaged in a high level dialogue with the United States since last year to resolve the differences on the nuclear issue and to put the Pakistan-U.S. relations back on track. However, the two governments are determining to continue the dialogue in an attempt to reach a mutually satisfactory solution of the nuclear issue and meanwhile to continue cooperation in areas which are not affected by the Pressler's amendments.

ہماری جو پالیسی ہے وہ میں دو چار پوائنٹ میں میں کروں گا۔

Firstly, Pakistan's nuclear programme is peaceful in charcter and we remain fully committed to the objective of nuclear non-proliferation both at global and regional levels.

Secondly, Pakistan has made a number of proposals for nuclear non proliferation in South Asia. The Prime Minister's proposal for Five Nations Consultations on nuclear non proliferation in South Asia was the latest of those proposals. Pakistan is ready to accept any equitable and non-discriminatory regime for preventing the proliferation of nuclear weapon in South Asia.

Thirdly, as a result of the development of its peaceful nuclear programme Pakistan has acquired a certain technical capability in the nuclear field. However, we have decided at the highest political level to use this capability for peaceful purposes only. At the same time Pakistan's obvious security reasons cannot forego its options unilaterally.

Fourthly, Pakistan does not possess any nuclear explosive device and does not intend to make one. It would also not transfer sensitive nuclear technology to third countries. Finally the statement calls upon India to respond positively to our proposal to keep South Asia free of nuclear weapons."

اب محترمہ ہمارے جو مڈل ایسٹ اور عرب کے بھائی ہیں ان کے ساتھ جو تعلقات ہیں ان کے متعلق ہماری پالیسی ہے

> "Pakistan remains steadfast in its support to our Palestinian and Arab brethren on the Arab Israel dispute, we continue to believe that durable peace in the Middle East requires just a settlement on the basis of israel's withdrawal from all Arab and Palestinian territories occupied since 1967."

چنانچہ ہمارے جو فلسطینی بھائی ہیں جو عرب بھائی ہیں' ان کی ہم پوری طرح سپورٹ کرتے ہیں اور ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ 1967ء کے بعد جس جس علاقے پر اسرائیل نے قبضہ کیا ہے' وہ اس علاقہ سے اپنا قبضہ چھوڑ کر جن کا یہ اصل علاقہ ہے ان کو واپس دے اور جو ہماری سنٹرل ایشین کی Republics ہیں ان کے متعلق عرض ہے کہ آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ ہماری جو diplomatic recognition تھیں Central Asian Republics میں' یہ سب سے پہلے ہم نے کیں ہم نے وہاں مشن بھی کھولے اور وہاں تاشقند میں پہلی پرواز بھی چلی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے جو مراسم ہیں وہ ان سے مزید مستحکم ہوں گے اور ان سے ہمارا کلچرل ایکسچینج ہو گا۔

محترمہ میں! آخر میں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ ہو سکتا ہے کہ بہت ساری ایسی باتیں ہوں جن کا میں شاید جواب نہ دے سکا ہوں اور بہت سارے ایسے معاملات ہیں جن کا جواب دینا ضروری بھی نہیں تھا کیونکہ ان میں کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی ماسوائے arrogance کے' ماسوائے ناراضگی کے اظہار کے' اس لئے ان کا جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اور میں آخر میں اپنے بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ چلو' 19 دسمبر کو ہم کوئی اچھی precedent قائم نہ کر سکے لیکن آج جس طرح میں نے گزارش کی اور جب ہمارے بہت سارے ساتھیوں نے صدر صاحب کے خطاب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو انہوں نے اسے بہتر خطاب قرار دیا۔ میرے خیال میں بھی اس سے بہتر خطاب ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ کوئی ایسا فیلڈ نہیں تھا جو انہوں نے چھوڑا تھا۔ انہوں نے خواہ مخواہ بھی کسی پر کوئی تنقید نہیں کی ہے یا خواہ مخواہ کس کی کارکردگی کو سراہا ہے اور اس سے زیادہ متوازن خطاب ہو نہیں سکتا تھا چلو پھر بھی جو کچھ اس دن ہوا ہم اس کو بھول جائیں اور آئندہ کے لئے ایک اچھی مثال قائم کریں اور میری یہ گزارش تھی کہ میں نے Motion of thanks move کی تھی اس کو آپ unanimously adopt کریں تاکہ اس کا ازالہ کر سکیں۔ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے بڑے تحمل سے سنا۔

Madam Deputy Chairman: Thank you. There is an amendment to the motion of thanks given by Syed Abdullah Shah, he is not present, therefore, the amendment is dropped. Now I will read the motion.

Ch. Amir Hussain, Minister for Parliamentary Affairs has moved that:

> "This House expresses its deep gratitute to the President of Pakistan for his Address to both Houses assembled together on the 19th December, 1991."

(*The motion was adopted*)

Madam Deputy Chairman: The motion is adopted unanimously.

لیکن اس سے پہلے کہ میں صدر صاحب کا prorogation order سنا دوں کہ اس ہاؤس کے تمام اراکین کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ this was the longest session. اور یہ اس سال کا آخری سیشن ہے اس میں جس طرح میرے ساتھ ممبروں نے cooperation کی ہے اس کے لئے ان کی شکر گزار ہوں۔ ہم نے بھی پوری کوشش کی ہے کہ کسی طرح بھی ممبروں کو شکایت کا موقع نہ دیا جائے خواہ ان کا تعلق گورنمنٹ پارٹی سے ہو یا اپوزیشن سے ہو۔ میں ایک بار تمام اراکین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں کہ انہوں نے میرے ساتھ cooperation کی ہے!

Now I will read out the order of the President.

In exercise of the powers conferred by clause 1 of Article 54 of the Constitution the President hereby prorogue the Senate on the conclusion of its sitting on 16th March, 1992.

Sd/-
GHULAM ISHAQUE KHAN,
President.

Thank you.

[*The Senate prorogued sine die.*]

PCPPI—81(96) Senate—28-10-96—180.